اسلام اور ہندومت

ڈاکٹر ذاکر نائیک







اسلام اور ہندومت

اسلام اور ہندومت

ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم

سید امتیاز احمد

دار النوادر

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء

کتاب : اسلام اور ہندومت

مصنف : ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم : سید امتیاز احمد

اہتمام : دارالنوادر، لاہور

مطبع : موٹروے پریس، لاہور

قیمت : ۶۰ روپے

ترتیب

تعارف

ایمانیات

فرشتے

ہندومت کے متونِ مقدسہ

ہندوؤں کی کتب مقدسہ میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر

ویدوں کی مزید پیش گوئیاں

(حصہ دوم)

ہندوؤں کی جانب سے عام طور پر اسلام کے بارے میں پوچھے جانے والے سوالات

(ضمیمہ)

ہندو دھرم......ایک مطالعہ

(ڈیوڈ اے براؤن رمترجم فہیم اختر ندوی)



باب اوّل

تعارف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ٥﴾

(آل عمران:٦٤)

''اے نبیؐ، کہو''اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔'' اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف اللہ کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔''

ہندومت کا تعارف

لفظ''ہندو'' جغرافیائی اہمیت رکھتا ہے۔ ابتدا میں یہ لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوا جو دریائے''سندھو'' کے پار رہتے تھے۔ یا ان علاقوں کے رہنے والوں کے لیے جن علاقوں کو دریائے سندھ کا پانی سیراب کرتا تھا۔

بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ یہ لفظ پہلے پہل ان ایرانیوں نے استعمال کیا تھا جو شمال مغربی سمت سے یعنی سلسلہ ہائے کوہِ ہمالیہ میں موجود درّوں کے راستے ہندوستان وارد ہوئے تھے۔

Encyclopedia of Religions & Ethics کے مطابق، مسلمانوں کی آمد سے پہلے کے متون اور ادب میں لفظ ہندو کہیں استعمال نہیں ہوا۔

اپنی کتاب Discovery of India کے صفحہ ۷۵۔۷۴ پر جواہر لال نہرو لکھتے ہیں کہ ''لفظ ہندو کا قدیم ترین استعمال ہمیں آٹھویں صدی (CE) میں ملتا ہے لیکن وہاں بھی یہ لفظ کسی خاص مذہب کے پیروکاروں کے لیے استعمال نہیں ہوا بلکہ محض ایک قوم کے لیے استعمال ہوا ہے۔ لفظ ''ہندو'' کا استعمال مذہبی تناظر میں بہت بعد میں جا کر ہوا۔

مختصراً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ لفظ ہندو ایک جغرافیائی اصطلاح ہے جو ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو دریائے سندھ کے پار یا دوسرے لفظوں میں ہندوستان میں رہتے ہیں۔

ہندومت کی تعریف

- ہندومت یا ہندوازم لفظ ہندو سے نکلا ہے۔ یہ وہ لفظ ہے جو انیسویں صدی میں انگریز دریائے سندھ کی وادی میں رہنے والے لوگوں کے متنوع اور مختلف عقاید اور نظریات کے لیے مجموعی طور پر استعمال کرتے تھے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹینکا کا بیان ہے کہ انگریز مصنفین نے ۱۸۳۵ء میں یہ لفظ ہندوستان میں رہنے والے تمام لوگوں کے مذہبی عقاید کے لیے استعمال کرنا شروع کیا، سوائے مسلمانوں اور نوعیسائی لوگوں کے۔
- ہندومت کی اصطلاح گمراہ کن ہے کیونکہ اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ہندومت کسی ایک نظامِ عقاید یا منظم نظریے کا نام ہے جب کہ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ عام طور پر لفظ ''مذہب'' سے جو تصور ذہن میں آتا ہے ہندومت اس سے خاصا مختلف قسم کا مظہر ہے۔ لہٰذا مذہب کی کسی تعریف کی رُو سے ہندومت کو ایک مذہب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی ابتدا، تشکیل اور تکمیل کسی ایک تاریخی شخصیت یا پیغمبر سے بھی وابستہ نہیں کی جا سکتی۔ ہندومت میں کوئی عبادت کا طریقہ، کوئی عقیدہ یا رسم و رواج ایسا نہیں جو ہندو

کہلانے والے تمام لوگوں میں یکساں ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ ہندومت کے اُصول بھی وضع نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اُصول وضع کرنے کے لیے کوئی معیار ہی موجود نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ جو شخص بھی یہ کہے کہ "میں ہندو ہوں" وہی سچا ہندو ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ وہ کس کی عبادت کرتا ہے؟ اس کے عقاید کیا ہیں؟ اور اس کے اعمال کیسے ہیں؟

- ہندو علما کے نزدیک بھی ہندومت بطور مذہب ایک غلط اصطلاح ہے۔ اس مذہب کو ان کے نزدیک "سناتن دھرم" یعنی ابدی مذہب کہا جانا چاہیے یا "وید دھرم" یعنی وہ مذہب جو ویدوں پر مبنی ہے۔ سوامی ویویک آنند کے بقول اس مذہب کے ماننے والوں کو ویدانتی کہا جانا چاہیے۔

اسلام کا تعارف

"اسلام" عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ "سلام" سے نکلا ہے۔ اس لفظ کا لغوی مطلب امن وسلامتی ہے۔ اس لفظ کا مطلب فرماں برداری بھی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری۔ یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا مطلب وہ سلامتی ہے جو اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دینے سے حاصل ہوتی ہے۔

مسلمان کی تعریف

"مسلمان" اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی رضا کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے تابع کر دے۔

ایک عام غلط فہمی

بہت سے لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اسلام کوئی نیا مذہب ہے، جو آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے وجود میں آیا اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ مذہب اسلام کے بانی ہیں۔ یہ محض ایک غلط فہمی ہے۔ درحقیقت اسلام آغازِ انسانیت ہی سے موجود ہے۔ اس وقت سے جب پہلے انسان نے روئے زمین پر قدم رکھا تھا۔ حضرت محمد ﷺ اسلام کے بانی نہیں ہیں بلکہ اسلام کے آخری اور حتمی پیغمبر ﷺ ہیں جن پر نبوت و رسالت کا اختتام ہو گیا ہے۔



باب دوم

ایمانیات

ہندومت کی ایمانیات (بنیادی عقاید)

ہندومت کے بنیادی عقاید طے شدہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہندومت میں عقاید یا ایمانیات کا کوئی طے شدہ نظام یا باقاعدہ اُصول موجود ہی نہیں ہے۔ نہ ہی ہمیں ہندومت میں کوئی ایسا عقیدہ یا بنیادی اُصول ملتا ہے جسے ماننا اور جس پر عمل کرنا ہر ہندو کے لیے لازم ہو۔

عملاً ایک ہندو آزاد ہے، وہ جو چاہے کرے، جو چاہے عقیدہ رکھے۔ اس کے لیے حلال وحرام کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ یعنی نہ تو کوئی چیز ایسی ہے جس پر عمل کرنا اس کے لیے بہر صورت لازم ہو اور نہ ہی کوئی عمل ایسا ہے جس سے پرہیز کرنا ہندو رہنے کے لیے ضروری ہو، اور جسے کرنے کے نتیجے میں ہندومت کے دائرے سے باہر نکل جائے۔

بہر حال چند اُصول ایسے ضرور ہیں جنھیں تمام ہندو نہ سہی، ہندوؤں کی اکثریت تسلیم کرتی ہے، خواہ سو فی صد ہندو اس پر متفق نہ بھی ہوں۔ ان میں سے بعض اُصول ہم اسلام کے بنیادی عقاید پر گفتگو کرتے ہوئے زیر بحث لائیں گے۔

ہندومت میں تصورِ خدا

آریائی مذاہب میں سب سے مقبول مذہب ہندومت ہے۔ اور اب ہم ہندومت میں تصورِ خدا کا جائزہ لیں گے۔

اگر آپ کسی عام ہندو سے پوچھیں کہ وہ کتنے خداؤں پر ایمان رکھتا ہے؟ تو آپ کو مختلف جوابات ملیں گے۔ کوئی کہے گا تین خداؤں پر، کوئی کہے گا تینتیس خداؤں پر۔ کسی کا جواب ہوگا ایک ہزار خداؤں پر جب کہ بعض ایسے بھی ہوں گے جو کہیں کہ وہ ۳۳ کروڑ خداؤں کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن اگر یہی سوال آپ کسی پڑھے لکھے ہندو سے کریں، جو اپنے مذہب کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا ہے تو اس کا جواب مختلف ہوگا۔ وہ آپ سے کہے گا کہ درحقیقت ہر ہندو کو صرف اور صرف ایک ہی خدا پر ایمان رکھنا چاہیے۔

فرق ''S'' کا ہے:

انگریزی زبان کے دو جملے ہیں:

(a) Everything is God.

(b) Everything is God's.

ہندوؤں اور مسلمانوں کے تصورِ خدا میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ہندو ''ہمہ اوست'' کے فلسفے پر یقین رکھتے ہیں۔ یعنی ''Everytings is God.'' گویا کہ ہر شے خدا ہے۔ درخت خدا ہے، سورج خدا ہے، سانپ خدا ہے، بندر خدا ہے اور خود انسان خدا ہے۔

جبکہ مسلمانوں کے تصورِ خدا کو اس جملے میں بیان کیا جاسکتا ہے:

Everything is God's.

یعنی ہر چیز خدا کی ہے۔ ہر چیز کا خالق اور مالک اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ درخت خدا کا ہے، چاند خدا کا ہے۔ بندر بھی خدا کی مخلوق ہے اور انسان بھی خدا کی مخلوق ہے۔

انگریزی کے ان دونوں جملوں میں فرق صرف ایک حرف کا ہے، جسے ''Apostrophe s''

کہتے ہیں اور یہی فرق ہندوؤں اور مسلمانوں کے تصورِ خدا میں ہے۔ ہندو کہتا ہے کہ ہر شے خدا ہے اور مسلمان کہتا ہے کہ ہر شے خدا کی ہے۔ یہ بنیادی اختلاف ہے۔ اگر یہ اختلاف ختم ہو جائے تو ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے قریب آ سکتے ہیں۔

قرآن کی دعوت ہے کہ کچھ اُمور پر یکساں نقطہ نظر اپنایا جائے۔ اور ان اُمور میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، کسی کو معبود نہ بنائیں، اس مشترک نقطۂ نظر کے حوالے سے ہم ہندوؤں اور مسلمانوں کے متون مقدسہ کا جائزہ لیتے ہیں۔

بھگود گیتا

ہندومت میں جن متون کو مقدس سمجھا جاتا ہے، ان میں سب سے زیادہ مقبولیت ''بھگود گیتا'' کو حاصل ہے اور اس کتاب میں کہا گیا ہے:

''جھوٹے خداؤں کی پرستش وہی لوگ کیا کرتے ہیں جن کی عقل وفہم مادی خواہشات نے چرالی ہے۔''

(بھگود گیتا، ساتواں باب، اشلوک ۲۰)

گویا خود بھگود گیتا کے مطابق غیر خدا کی عبادت کرنے والے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنی مادی خواہشات کے ہاتھوں مغلوب ہو چکے ہوتے ہیں۔

اپنشد

اپنشد بھی ہندومت کے متون مقدسہ میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ چندوگیہ اپنشد کے چھٹے باب میں کہا گیا ہے:

''وہ ایک ہی ہے کسی دوسرے کے بغیر۔''

(چندوگیہ اپنشد، باب ٦، دوسرا حصہ، اشلوک ١)

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (الاخلاص:١)

''کہہ دو، وہ اللہ ہے، واحد۔''

سویتا سوترا اپنشد میں کہا گیا ہے:

''اس کا دنیا میں کوئی حکمران نہیں

کوئی آقا نہیں

نہ ہی وہ کوئی نشان رکھتا ہے

وہ سبب ہے

بادشاہوں کا بادشاہ

حواس کا مالک

نہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے

اور نہ ہی مالک۔''

(The Principle Upanishads by S.Radhakrishnan p.745)

(The Sacred Book of The East V.15 p.263)

جب کہ قرآن مجید کی سورۂ اخلاص میں ہمیں پیغام دیا گیا ہے:

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ (الاخلاص: ۳)

''نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔''

اپنشد میں مزید کہا گیا:

''اس جیسا کوئی بھی نہیں ہے۔'' (سویتا سوترا اپنشد، باب ۴، اشلوک ۱۹)

مزید تحریر ہے:

''اس سے مشابہ کوئی نہیں ہے

وہ جس کا نام عظمت والا ہے۔''

(The Principle Upanishads by S.Radhakrishnan p.736-7)

(The Sacred Book of The East V.15 p.253)

قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ٥﴾ (الاخلاص:٤)

''اور کوئی اس کا ہم سر نہیں ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ:١١)

''کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں وہ سب کچھ دیکھنے اور سننے والا ہے۔''

سویتا سوتر اپنشد کے چوتھے ادھیائے کے بیسویں اشلوک میں تحریر ہے:

''اس کی صورت دیکھی نہیں جا سکتی
کوئی بھی اپنی آنکھوں سے
اس کا دیدار نہیں کر سکتا۔''

یہی بات دوبارہ بھی کہی گئی ہے:

''اس کی صورت دیکھی نہیں جا سکتی
کوئی بھی اپنی آنکھوں سے
اس کا دیدار نہیں کر سکتا
وہ جو اپنے قلب اور اپنی فکر سے
یہ جان جاتے ہیں
کہ وہ دلوں میں بستا ہے
وہ لافانی ہو جاتے ہیں۔''

(The Sacred Book of The East V.15 p.253)

قرآن مجید کی سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ٥﴾ (الانعام:١٠٣)

''نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے، وہ نہایت باریک بین

اور باخبر ہے۔''

وید

ہندومت کے متونِ مقدسہ میں وید بھی نہایت اہم گردانے جاتے ہیں۔ بنیادی طور پر چار وید اہم ترین ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

١۔ رگ وید

٢۔ یجر وید

٣۔ سام وید

٤۔ اتھر وید

یجر وید میں کہا گیا ہے:

''اس کا کوئی عکس نہیں ہے۔''

(یجر وید، باب ٣٢، مصرعہ ٣)

مزید کہا گیا:

''وہی پیدا نہیں ہوا

وہی ہماری عبادت کا حق دار ہے

وہ روشن اجسام کی طرح خود قایم ہے

میری دعا ہے

کہ مجھے اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے

وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا

ہمیں اسی کی عبات کرنی چاہیے۔''

(یجر وید، از دیوی چند، صفحہ ٣٧٧)

ایک اور جگہ تحریر ہے:

وہ جسم سے پاک ہے، وہ خالص ہے

وہ روشن ہے......

جسم سے ماورا ہے......

دور اندیش اور دانا ہے......

وہ ابد تک باقی رہنے والا ہے۔"

(یجروید، مرتبہ: رالف گرفتھ ص ۵۳۸)

یجروید میں کہا گیا ہے:

"وہ لوگ تیرگی کا شکار ہو جاتے ہیں

جو مظاہر فطرت کی عبادت کرتے ہیں

(مثلاً آگ، ہوا، پانی وغیرہ)

(یجروید، باب ۴۰، مصرعہ ۹)

یہی نہیں بلکہ مزید کہا گیا:

"وہ لوگ تیرگی کی گہرائیوں میں جا پہنچتے ہیں جو غیر فطری اشیا (مثلاً بت) کو اپنا معبود بناتے ہیں۔"

یہ بات جا بجا دہرائی گئی ہے کہ "سنبھوتی" اور "اسنبھوتی" یعنی قدرتی اشیا اور انسان کی تخلیق کردہ اشیا کی عبادت کرنے والے یکساں طور پر تیرگی اور اندھیرے میں ہیں۔

(یجروید مرتبہ: رالف گرفتھ، ص ۵۳۸)

اب ہم اتھروید کی طرف آتے ہیں۔

اتھروید کی بیسویں کتاب کے باب نمبر ۵۸ کے تیسرے مصرعے میں کہا گیا:

"بلاشبہ خدا عظیم ہے۔"

"تو عظیم ہے خدایا

تو عظیم ہے سوریا

تو عظیم ہے آدیتیہ۔"

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَةِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ۝﴾ (الرعد : ۹)

''وہ پوشیدہ اور ظاہر ہر کا عالم ہے، وہ بزرگ ہے اور ہر حال میں بالاتر رہنے والا ہے۔''

رگ وید کو ویدوں میں قدیم ترین خیال کیا جاتا ہے اور مقدس ترین بھی مانا جاتا ہے۔ رگ وید کی پہلی کتاب کے باب ۱۶۴ میں کہا ہے:

''پجاری، ایک ہی خدا کو بہت سے ناموں سے پکارتے ہیں، وہ اسے ''اندر'' بھی کہتے ہیں اور ''متر'' بھی ''ورون'' بھی کہتے ہیں اور اگنی بھی۔''

''پجاری ایک ہی خدا کو بہت سے ناموں سے پکارتے ہیں۔''

رگ وید کی دوسری کتاب کے پہلے ہی باب کا مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں خدا کے لیے بہت سی صفات گنوائی گئی ہیں۔ مجموعی طور پر رگ وید میں اللہ تعالیٰ کی ۳۳ صفات بیان کی گئی ہیں۔ ان صفات یا اسمائے صفاتی میں سے ایک بہت خوبصورت صفت ''برہما'' ہے۔ برہما کا مطلب ہوتا ہے تخلیق کرنے والا، یعنی اگر آپ اس کا عربی میں ترجمہ کریں تو وہ بنے گا ''الخالق''۔

لہٰذا ہم کو، یعنی مسلمانوں کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو خالق کہا جائے یا ''برہما'' کہہ کر پکارا جائے۔ لیکن اگر آپ یہ کہیں گے کہ ''برہما'' خدا ہے جس کے چار سر ہیں اور ہر سر پر تاج ہے اور یہ کہ اس کے چار ہاتھ ہیں تو ہم مسلمانوں کو آپ کے بیان پر شدید اعتراض ہوگا کیوں کہ آپ خدا کی تجسیم کر رہے ہیں۔

بلکہ دراصل خدا کے ساتھ اس قسم کے تصورات وابستہ کر کے آپ خود ویدوں کی تعلیمات کی بھی نفی کر رہے ہوتے ہیں جیسا کہ یجروید کا بیان پہلے بھی نقل کیا گیا:

''وہ جسم سے پاک ہے، وہ خالص ہے
وہ روشن ہے......
جسم سے ماورا ہے......

دور اندیش اور دانا ہے......

ابد تک باقی رہنے والا ہے......''

(یجر وید، مرتبہ: رالف گرفتھ، ص ۵۳۸)

سو جس وقت آپ برہما کی تجسیم کرتے ہیں تو گویا آپ یجر وید کے مذکورہ بالا بیان کی تردید کر رہے ہوتے ہیں۔

رگ وید میں ایک اور جگہ کہا گیا ہے:

''اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو

وہ جو صاحب الوہیت ہے

اسی کی مدح کرو۔''

(رگ وید، کتاب ۸، باب ۱)

ایک اور جگہ یہ بھی کہا گیا:

''اے دوستو! اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو

وہ جو خدا ہے

کوئی بھی دُکھ تمہیں پریشان نہ کرے

صرف اسی کی مدح کرو......

وہ جو نعمتیں برسانے والا ہے

خود شناسی کے مراحل میں تمہیں چاہیے

کہ اسی کی شان میں نغمے گاتے رہو۔''

(رگ وید، مرتبہ: ستیہ پرکاش سرسوتی، ستیہ کام ودھیا، جلد چہارم، ص ۱،۲)

پھر کہا گیا:

''بلاشبہ اس خالق کی شان سب سے بلند ہے۔''

(رگ وید، مرتبہ: ستیہ پرکاش سرسوتی، ستیہ کام ودھیا، جلد ششم، ص ۱۸۰۲)

اگر آپ قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو یہاں بھی اس سے ملتا جلتا ایک پیغام ہمیں اس

آیت مبارکہ میں نظر آتا ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (الفاتحہ : ۱)

''تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔''

رگ وید میں ایک اور جگہ تحریر ہے:

''وہ رحیم عطا کرنے والا ہے۔''

(رگ وید، مرتبہ: رالف گرفتھ، جلد دوم، ص ۳۷۷)

جب کہ سورۂ فاتحہ کی تیسری آیت میں فرمایا گیا:

﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ (الفاتحہ: ۲)

''وہ نہایت مہربان، رحم فرمانے والا ہے۔''

یجروید میں ہمیں یہ بات بھی ملتی ہے:

''اچھی راہ کی طرف ہماری راہنمائی کر اور ان برائیوں کو ہم سے دُور کر دے جو گمراہی اور پریشانیوں کی طرف لے جاتی ہیں۔

اچھی راہ کے ذریعے ہمیں فراوانی تک لے جا

اے اگنی!

اے خدا تو ہمارے تمام اعمال اور خیالات کے بارے میں جانتا ہے

ان گناہوں کو ہم سے دُور کر دے

جو گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔''

سورۂ فاتحہ کی ان آیات سے بھی ہمیں اسی قسم کا پیغام ملتا ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ (الفاتحہ: ۶، ۷)

''ہمیں سیدھا راستہ دکھا

ان لوگوں کا راستہ، جن پر تو نے انعام فرمایا

جو معتوب نہیں ہوئے

جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔''

رگ وید میں کہا گیا:

''اسی کی تعریف کرو جو واحد اور بے مثال ہے۔''

(رگ وید از رالف گرفتھ، ص ۶۴۸)

ہندو ویدانت کی برہما سوترا میں بھی یہی بات کی گئی ہے:

''بھگوان ایک ہی ہے

دوسرا نہیں ہے، نہیں ہے

ذرا بھی نہیں ہے۔''

لہٰذا ہندو مت کے متون مقدسہ کے مطالعے سے بھی آپ خدا کا صحیح تصور معلوم کر سکتے ہیں۔



فرشتے

اسلام میں فرشتوں کا تصور

اسلام میں فرشتوں کے بارے میں ہمارا تصور یا عقیدہ یہ ہے کہ:

- وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں
- وہ بالعموم نظر نہیں آتے
- انھیں نور سے تخلیق کیا گیا ہے
- وہ اپنی مرضی اور ارادے کے مالک نہیں ہیں۔ (یعنی انھیں انسانوں کی طرح اپنے افعال پر اختیار حاصل نہیں ہے۔
- وہ ہمیشہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری میں مصروف رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف فرشتوں کو مختلف کاموں پر مامور فرمایا ہے، مثال کے طور پر برگزیدہ ترین فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، جنھیں انبیائے کرام تک وحی پہنچانے پر مامور فرمایا گیا ہے۔

ہندومت میں فرشتوں کا تصور

ہندومت کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس مذہب میں فرشتوں یا ملائکہ کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

البتہ کچھ برتر ہستیوں کا تصور ضرور موجود ہے۔ یہ ہستیاں ایسے کام بھی کر سکتی ہیں جو عام انسان کی طاقت سے باہر ہیں۔ جن کا کرنا ایک عام آدمی کے لیے ممکن نہیں ہے۔

انھی مافوق الفطرت صلاحیتوں کے باعث بعض ہندوان ہستیوں کو بھی دیوتا قرار دیتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔



ہندومت کے متونِ مقدسہ

تعارف

ہندومت کی مقدس تحریروں یا کتابوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک طرح کی تحریروں کو ''شروتی'' کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کی تحریریں ''سمرتی'' کہلاتی ہیں۔

''شروتی'' سے مراد وہ تحریریں ہیں جو ''بھیجی گئی ہیں'' یا ''سنی گئی ہیں'' یا ''نازل ہوئی ہیں''۔ ہندو مذہب کی مقدس ترین اور قدیم ترین تحریریں وہی ہیں جو ''شروتی'' کے زمرے میں آتی ہیں۔

''شروتی'' میں دو طرح کی کتابیں شامل ہیں یا یوں کہیے کہ ''شروتی'' کی مزید تقسیم دو حصوں میں کی گئی ہے یعنی:

۱۔ وید مقدس

۲۔ اپنشد

ان دونوں تحریروں کو ہندو الوہی قرار دیتے ہیں۔

''سمرتی'' کو اس درجے میں مقدس یا الوہی تو قرار نہیں دیا جاتا لیکن پھر بھی انھیں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اور یہ کتابیں آج کل کے ہندوؤں میں مقبول بھی بہت زیادہ ہیں۔

''سمرتی'' کا مطلب ہے ''یادداشت'' یا وہ چیزیں جنھیں یاد کرلیا جائے، اس قسم کی تحریریں نسبتاً عام فہم ہیں کیونکہ ان میں کائنات کے بارے میں گفتگو علامتی انداز میں کی گئی ہے اور بالعموم اساطیری انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ''سمرتی'' کو الوہی قرار نہیں دیا جاتا بلکہ انسانی تخلیق سمجھا جاتا ہے۔ ان کتابوں میں انسان کو اس کی روزمرہ زندگی کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں اور اُصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں جن کی روشنی میں ایک فرد کو اپنا رویہ معین کرنا چاہیے اور روزمرہ افعال سرانجام دینے چاہئیں۔ ان کتابوں میں صرف فرد کے لیے ہی نہیں بلکہ معاشرے کے اجتماعی اُمور کے بارے میں بھی ہدایات دی گئی ہیں۔

ان کتابوں کو مجموعی طور پر دھرم شاستر بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں ''پران''، ''اتہاس'' اور متعدد دیگر تحریریں شامل ہیں۔



ہندوؤں کی کتب مقدسہ میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر

(جیسا کہ پہلے بھی وضاحت کی گئی) ہندومت میں متعدد کتابیں مقدس قرار دی جاتی ہیں۔ان مقدس کتابوں میں وید، اپنشداور پران بھی شامل ہیں۔

وید

''وید'' کا لفظ وِد (یا ودیا) سے نکلا ہے۔جس کے معنی سیکھنے یا جاننے کے ہوتے ہیں یعنی علم کی بہترین سطح۔ بلکہ یوں کہیے کہ علوم مقدسہ کے لیے وید کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ ویدوں کو چار بنیادی قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اگر تعداد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ویدوں کی کل تعداد ۱۱۳۱ بتائی جاتی ہے۔ان میں سے کوئی درجن بھر وید ایسے ہیں جن کا متن دستیاب ہے(باقی تمام متون غالباً تلف ہو چکے ہیں)۔

ویدوں کی چار اقسام میں رگ وید، اتھر وید، یجر وید اور سام وید شامل ہیں۔ پتا نجلی کے مہابھاشیہ کے مطابق:

- رگ وید کی ۲۱ شاخیں ہیں
- اتھر وید کی ۹ شاخیں ہیں
- یجر وید کی ۱۰۱ شاخیں ہیں
- سام وید کی ۱۰۰۰ شاخیں ہیں

رگ وید، یجر وید اور سام وید کو نسبتاً قدیم کتابیں قرار دیا جاتا ہے اور یہ کتابیں مشترکہ

طور پر ''تری ودیا'' یا ''علوم سہ گانہ'' قرار دی جاتی ہیں۔

رگ وید کو قدیم ترین متن قرار دیا جاتا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی تدوین تین قدیم اور طویل زمانوں میں ہوئی ہے۔

چوتھا وید اتھروید ہے جسے نسبتاً بعد کے زمانے کا سمجھا جاتا ہے۔

ان ویدوں کی تحریر و تدوین کے زمانے کے بارے میں اتفاقِ رائے نہیں پایا جاتا۔ یعنی چاروں ویدوں کا زمانہ تحریر یا زمانہ نزول معین نہیں ہے۔

آریا سماج کے بانی سوامی دیانند کا کہنا تھا کہ وید ۱۳۱۰ ملین سال قبل نازل ہوئے تھے جب کہ دیگر علما کی رائے ہے کہ یہ وید چار ہزار برس سے زیادہ قدیم نہیں ہیں۔

اسی طرح یہ بات بھی طے نہیں ہے کہ ان ویدوں کا مقامِ تحریر یا مقامِ نزول کیا تھا۔ یعنی کس جگہ، کس علاقے میں یہ کتابیں تحریر کی گئیں۔ یہ بات بھی نامعلوم ہے کہ وہ کون سے رشی تھے، کون سی شخصیات تھیں جنھیں یہ کتابیں عطا کی گئیں۔

لیکن ان تمام تر اختلافات اور غیر یقینی حالات کے باوجود ویدوں کو ہندو مذہب میں مقدس ترین مقام حاصل ہے اور ہندوؤں کے نزدیک یہ مستند ترین ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندومت کی بنیاد ہی ان ویدوں پر ہے۔

اپنشد

اپنشد کا لفظ دراصل تین لفظوں سے مل کر بنا ہے:

''اُپا'' جس کے معنی ہوتے ہیں قریب

''نی'' جس کا مطلب ہے نیچے

''شد'' یعنی بیٹھنا

گویا اپنشد کے معنی ہوئے ''قریب ہو کر زمین پر بیٹھنا'' جس طرح شاگرد اپنے استاد کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اپنشد کے معنی کسی استاد کے پاس بیٹھ کر علوم مقدس کی تعلیم حاصل کرنا ہے۔

البتہ ''سام کارا'' کے مطابق اپنشد کے معنی یہ نہیں ہیں بلکہ اصل لفظ ''شد'' ہے جس کے معنی کھولنے، ختم کرنے یا پہنچنے کے ہوتے ہیں۔ نی اور اُپا سابقے ہیں اور اپنشد کا مطلب ہے وہ مقدس علم جس کے ذریعے جہالت اور لاعلمی کو ختم کیا جاتا ہے۔

اپنشدوں کی تعداد دوسو سے بھی زاید ہے۔ اگرچہ روایتی طور پر ان کی تعداد ۱۰۸ بتائی جاتی ہے۔ دس بنیادی اپنشد ہیں لیکن یہ تعداد بھی معین نہیں ہے کیونکہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ تعداد ۱۸ ہے۔

ویدانت کا لفظ ابتدا میں اپنشدوں کے لیے ہی استعمال ہوتا تھا۔ اس لفظ سے مراد وہ فلسفیانہ نظام لیا جاتا ہے جو اپنشدوں پر مبنی ہے۔ لغوی طور پر دیکھا جائے تو ویدانت (وید۔ انت) کا مطلب ہے ویدوں کا اختتام یا انجام۔ مراد ہے ویدوں کا مقصد یا منزل کا حصول۔

گویا اپنشد، ویدوں کا تکملہ ہیں جو کہ ویدک دور کے آخر میں آتے ہیں اور ویدوں کی تکمیل کرتے ہیں۔

بعض پنڈت ایسے بھی ہیں جن کی رائے میں اپنشد کو ویدوں پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔

پُران

استناد کے حوالے سے دیکھا جائے تو اپنشد کے بعد پُرانوں کا نمبر آتا ہے۔ پُران ہندو مت کے سب سے زیادہ پڑھے جانے والے مذہبی متون ہیں۔ پُرانوں میں آغازِ کائنات کی داستان بیان کی گئی ہے۔ ابتدائی آریائی قبیلوں کی تاریخ کا ذکر کیا گیا ہے اور ہندو مذہب کی مقدس مذہبی شخصیات کی زندگیوں کے اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

پُرانوں کو بھی ویدوں کی طرح الہامی کتابیں خیال کیا جاتا ہے اور ان کا زمانہ نزول بھی ویدوں کے لگ بھگ ہی بتایا جاتا ہے۔ یعنی یہ بھی تقریباً اسی دور میں نازل ہوئے جس دور میں وید تحریر ہوئے تھے۔

مہارشی ویاس نے پُرانوں کو اٹھارہ ضخیم حصوں میں ترتیب دیا ہے۔ انھوں نے ویدوں کی ترتیب وتدوین بھی کی ہے اور انھیں مختلف عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے۔

گیتا اور مہابھارت کی تدوین بھی اسی کے قلم سے ہوئی ہے۔ پُرانوں میں سے اہم کتاب ''بھوشِ پُران'' یعنی ''مستقبل کا پُران'' سمجھی جاتی ہے۔ اس کا یہ نام اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس کتاب میں مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہندو اس کتاب کو کلامِ الٰہی گردانتے ہیں۔ یعنی ہندوؤں کا خیال ہے کہ مہارشی ویاس نے صرف اس کتاب کو ترتیب دیا تھا، وہ محض اس کتاب کے جامع تھے، مصنف خود خدا تھا۔

بھوشِ پُران میں حضرت محمد ﷺ کا ذکر

بھوشِ پُران میں تحریر ہے:

''ایک ملیچھ (یعنی کسی دوسرے ملک سے تعلق رکھنے والا اور اجنبی زبان بولنے والا روحانی استاد) ظاہر ہوگا۔ اس کے ساتھ اس کے اصحاب بھی ہوں گے۔ اس کا نام محمدؐ ہوگا۔ ''راجا بھوج'' اس مہادیو عرب کو پہنچ گیا اور گنگا جل میں پاک کرے گا اور پھر اسے تحائف پیش کرے گا، احترام اور وفاداری کے ساتھ وہ کہے گا، میں تیرا وفادار ہوں۔ اے انسانیت کے لیے مایۂ فخر، اے عرب کے رہنے والے کہ تیرے پاس شیطان کے خاتمے کے لیے بیش بہا قوت ہے، اور تجھے تیرے ملیچھ مخالفوں سے محفوظ کردیا گیا ہے۔''

(بھوش پُران، پراتی سرگ، پارو۳، کھانڈ۳، ادھیائے۳، اشلوک ۵تا۸)

مندرجہ بالا پیش گوئی میں کچھ باتیں واضح طور پر بیان کردی گئی ہیں:

۱۔ آنے والے پیغامبر کا نام محمدؐ ہوگا۔

۲۔ اس کا تعلق صحرائے عرب سے ہوگا۔ (کیوں کہ سنسکرت لفظ Marusthal کا مطلب ریتلا علاقہ یا صحرا ہوتا ہے)

۳۔ پیغمبر ﷺ کے ساتھیوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

اور یہ بھی نبی کریم ﷺ کا اختصاص ہے کہ جتنے صحابہ رضی اللہ عنہم انھیں عطا کیے گئے اتنی تعداد میں کسی اور پیغمبر کے اصحاب نہیں تھے۔

۴۔ انھیں ''فخر انسانیت'' کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (القلم : ٤)

''اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔''

اسی طرح سورۂ احزاب میں بھی ارشاد فرمایا گیا:

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔''

۵۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ باطل اور شیطانی قوتوں کا خاتمہ کرے گا یعنی بت پرستی اور دیگر تمام برائیوں کا خاتمہ کر دے گا۔

۶۔ اور یہ کہ اس کے دشمنوں سے اس کی حفاظت کی جائے گی۔

یہاں بعض لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اس پیش گوئی میں ''راجا بھوج'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ راجا گیارھویں صدی عیسوی کی شخصیت ہے، یعنی رسول اکرم ﷺ کے پانچ سو سال بعد کی۔اور یہ کہ یہ راجا ''شالی واہن'' کی دسویں پشت میں تھا۔

یہ اعتراض کرنے والے ایک بڑی بنیادی بات نظر انداز کر دیتے ہیں اور وہ یہ کہ راجہ بھوج نام کا کوئی ایک بادشاہ نہیں تھا۔جس طرح تمام مصری بادشاہ فرعون کہلاتے تھے اور تمام رومی بادشاہوں کو سیزر کہا جاتا تھا، اسی طرح کا معاملہ لفظ ''بھوج'' کا بھی ہے۔یعنی جس طرح ''فرعون'' اور ''سیزر'' بادشاہوں کے نام نہیں بلکہ لقب تھے، اسی طرح ہندوستانی مہاراجوں کو بھی ''بھوج'' کہا جاتا ہے۔متعدد راجا بھوج تھے جن میں سے بہت سے گیارھویں صدی عیسوی والے راجا بھوج سے قبل گزرے ہیں۔

اسی طرح پہنچ گیا اور گنگا کے پانی سے پاک ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ پیغمبرؐ نے خود

وہاں جا کر غسل کیا ہوگا۔ یہاں استعاراتی انداز میں بات ہو رہی ہے۔ چونکہ گنگا کے پانی کو پوتر اور پوتر کرنے والا سمجھا جاتا ہے، یہ خیال کیا جاتا ہے کہ گنگا میں نہانے والے کے تمام گناہ دھل جاتے ہیں لہٰذا یہاں یہ استعارہ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پیغمبر ﷺ گناہوں سے پاک یعنی معصوم ہوگا۔

بھوش پُران میں لکھا ہے:

''ملیچھوں نے عرب کی مشہور سرزمین کو ناپاک کر دیا ہے۔ وہاں آریا دھرم موجود نہیں رہا۔ اس سے پہلے بھی وہاں ایک گمراہ شخص ظاہر ہوا تھا جسے میں نے ہلاک کر دیا۔ اب وہ دوبارہ ظاہر ہوا ہے۔ ایک طاقت ور دشمن نے اسے بھیجا ہے۔ اِن دشمنوں کو راہِ ہدایت دکھانے کے لیے اور ان کی رہنمائی کے لیے محمدؐ کو بھیجا گیا ہے۔ جسے میں نے برہما کا لقب عطا کیا ہے۔ وہ ''پشاچاؤں'' کو درست رستے کی طرف لانے میں مصروف ہے...... میرا پیرو ایک ایسا شخص ہوگا جو ختنہ کروائے گا، چوٹی نہیں رکھے گا۔ داڑھی رکھے گا، وہ ایک انقلاب لانے والا شخص ہوگا۔ وہ عبادت کے لیے صدا (اذان) دے گا۔ وہ تمام حلال چیزیں کھائے گا، وہ خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں کے گوشت کھائے گا۔ وہ مقدس نباتات کے ذریعے پاکی تلاش نہیں کریں گے بلکہ انھیں پاکی جنگ وجدل کے ذریعے ملے گی۔ وہ لادین قوموں سے جنگ کریں گے اور اسی سبب سے مسلمان کہلائیں گے۔ وہ گوشت خور قوم کے دین کی ابتدا کرنے والا ہوگا۔''

(بھوش پُران، پرتی سرگ، کھانڈ ۳، اشلوک ۱۰ تا ۲۷)

مندرجہ بالا پیش گوئی میں درج ذیل باتیں بیان ہوئی ہیں:

- بدکار لوگوں نے سرزمین عرب کو ناپاک کر دیا ہے۔
- اس سرزمین میں آریا دھرم موجود نہیں ہے۔
- موجودہ دشمن تباہ ہو جائیں گے۔ جس طرح ماضی کے دشمن تباہ ہو گئے تھے۔ مثال کے

طور پر ابرہہ وغیرہ جن کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝﴾ (الفیل: ۱ تا ۵)

''تم نے دیکھا نہیں کہ تمھارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا؟ اور اُن پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے۔ جو ان کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے (جانوروں کا) کھایا ہوا بھوسہ۔''

- حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ''برہما'' کا خطاب دے کر گمراہوں کی ہدایت کے لیے مامور فرمایا گیا ہے۔
- ہندوستانی راجا کو عرب جانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس کا تزکیہ ہندوستان ہی میں ہوگا جب مسلمان ہندوستان آجائیں گے۔
- آنے والا پیغمبر ﷺ آریا مذہب کے حقیقی عقیدے یعنی توحید کی تبلیغ کرے گا اور راہ گم کرہ لوگوں کی اصلاح بھی کرے گا۔
- پیغمبر ﷺ کے ماننے والے ختنہ کروائیں گے، چوٹیاں نہیں رکھیں گے، داڑھیاں رکھیں گے اور ایک عظیم انقلاب برپا کریں گے۔
- وہ عبادت کے لیے پکاریں گے یعنی اذان دیا کریں گے۔
- وہ تمام حلال اشیا اور گوشت کھائیں گے لیکن سؤر کے گوشت سے پرہیز کریں گے۔

اس بات کی تصدیق قرآن کم از کم چار مقامات پر کرتا ہے:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (البقرہ:۱۷۳)

''اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ ہے کہ مردار نہ کھاؤ، خون سے اور سؤر کے گوشت سے پرہیز کرو اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھالے، بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو، یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ (المائده: ٣)

''تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، بلندی سے گر کر یا ٹکر کھا کر مرا ہو یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا......''

سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO﴾ (الانعام: ١٤٥)

''اے نبیؐ، ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو، اِلّا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سؤر کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے، یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں (کوئی چیز ان میں سے کھالے) بغیر

اس کے کہ وہ نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ وہ حد ضرورت سے تجاوز کرے، تو یقیناً تمھارا رب درگزر سے کام لینے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

سورۂ نحل میں پھر فرمایا گیا:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾

(النحل: ۱۱۵)

''اللہ نے جو کچھ تم پر حرام کیا ہے وہ ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ البتہ بھوک سے مجبور اور بے قرار ہو کر اگر کوئی ان چیزوں کو کھالے، بغیر اس کے کہ وہ قانون الٰہی کی خلاف ورزی کا خواہش مند ہو، یا حد ضرورت سے تجاوز کا مرتکب ہو تو یقیناً اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔''

- یہ کہ وہ ہندوؤں کی طرح تزکیہ حاصل نہیں کریں گے بلکہ ان کے لیے تزکیے کا ذریعہ کفار اور لا مذہب لوگوں کے ساتھ جہاد بالسیف ہوگا۔
- یہ کہ انھیں مسلمان کہا جائے گا۔
- وہ ایک گوشت کھانے والی قوم ہوں گے۔

قرآن گوشت خوری یعنی سبزی خور جانوروں کا گوشت کھانے کی اجازت دیتا ہے۔

سورۂ مائدہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۝ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۝﴾ (المائدہ: ۱)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بندشوں کی پوری پابندی کرو۔ تمھارے لیے مویشی کی قسم کے سب جانور حلال کیے گئے۔ سوائے ان کے جو آگے چل کر تم

کو بتائے جائیں گے لیکن احرام کی حالت میں شکار کو اپنے لیے حلال نہ کرلو، بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔''

اسی طرح سورۂ مومنون میں فرمایا گیا:

﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِّمَّا فِى بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝﴾ (المؤمنون: ۲۱)

''اور حقیقت یہ ہے کہ تمھارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق ہے۔ ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے اسی میں سے ایک چیز (یعنی دودھ) ہم تمھیں پلاتے ہیں اور تمھارے لیے ان میں بہت سے دوسرے فائدے بھی ہیں۔ ان کو تم کھاتے بھی ہو۔''

بھوِش پُران کے تیسرے پارو کے پہلے کھانڈ کے تیسرے ادھیائے کے اشلوک ۲۱ اور ۲۳ میں کہا گیا:

''کاشی وغیرہ، سات مقدس شہروں میں بدعنوانی اور ظلم وستم کا دور دورہ ہے۔ ہندوستان میں راکھشش، شبر، بھیل اور دیگر بیوقوف قومیں رہتی ہیں۔ ملیچھوں کے علاقے میں رہنے والے، ملیچھ مذہب کے پیروکار عقل مند اور بہادر لوگ ہیں۔ مسلمانوں میں ہر طرح کی خوبیاں موجود ہیں جب کہ ہر طرح کی خامیاں آریاؤں کے علاقے میں جمع ہوگئی ہیں۔ اسلام ہی ہندوستان اور اس کے جزائر پر حکومت کرے گا۔ اے منی! تو یہ حقائق جان چکا ہے سو اپنے خالق کے نام کو روشن کر۔''

اس حوالے سے قرآن مجید کی درج ذیل آیت ملاحظہ فرمایئے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ (التوبہ: ۳۳، ۳٤)

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، ان اہل کتاب کے اکثر علما اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ دردناک سزا کی خوش خبری دو ان کو جو سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔''

اسی طرح سورۂ صف میں یہ ہدایت دی گئی:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝﴾ (الصف: ۹)

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''

اسی طرح سورۂ فتح میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۝﴾ (الفتح: ۲۸)

''وہ اللہ ہی ہے، جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے اور حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔''

محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پیش گوئی

اتھروید کی بیسویں کتاب کی مناجات ۱۲۷ کے کچھ سکت ''کنٹپ سکت'' کہلاتے ہیں۔

کلنپ کا مطلب ہے مصائب و آلام کو ختم کرنے والا یعنی امن و سلامتی کا پیغام۔اس کا عربی ترجمہ کیا جائے تو وہ بنے گا ''اسلام''

کلنپ کے ایک معنی ''پیٹ میں چھپے ہوئے اعضا'' کے بھی ہیں۔ غالباً اس کے لیے ان کے حقیقی معنی چھپے ہوئے تھے اور بعد میں ظاہر ہوئے تھے۔اس لفظ کے معنی کا تعلق زمین کے مرکز یا ''ناف'' سے بھی ہے۔مکہ کو ''ام القریٰ'' یعنی آبادیوں کی ماں بھی کہا جاتا ہے اور زمین کی ناف بھی، متعدد کتب مقدسہ میں ہمیں ایسے بیانات ملتے ہیں۔ یہ زمین پر عبادتِ خداوندی کے لیے بنایا جانے والا پہلا گھر تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے دنیائے انسانیت کے لیے پہلی ہدایت نازل فرمائی۔

قرآنِ مجید کی سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۝﴾ (آل عمران: ۹۶)

''بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔''

مکہ ہی کا ایک دوسرا نام بکہ ہے اور کلنپ کے معنی مکہ یا بکہ ہی ہوتے ہیں۔

متعدد اہل علم نے ان ''کلنپ سکت'' کا ترجمہ کیا ہے جن میں مندرجہ ذیل نام زیادہ اہم ہیں:

- مسٹر ایم، بلوم فیلڈ
- پروفیسر رالف گرفتھ
- پنڈت راجا رام
- پنڈت کھیم کرن اور دیگر

ان سکت کے اہم نکات یا خاص خاص باتیں جو ویدوں کے اس حصے کی نمائندگی کرتے

ہیں، کچھ یوں ہیں:

پہلا منتر

وہ، جس کی تعریف کی گئی ہے (محمدؐ)

وہ، امن کا شہزادہ ہے

ہجرت کرنے والا ہے

وہ ۶۰۰۹۰ دشمنوں کے درمیان بھی محفوظ و مامون ہے۔

دوسرا منتر

وہ ایک شتر سوار رشی ہے

وہ جس کا رتھ آسمانوں کو چھوتا ہے۔

تیسرا منتر

وہ مہارشی ہے جسے دس سنہری سکے دیے گئے

جسے دس ہار عطا کیے گئے

جسے تین سو جنگی گھوڑے دیے گئے

جسے دس ہزار گائیں عطا کی گئیں۔

چوتھا منتر

ہاں، تو جو منور کرنے والا ہے۔

پانچواں منتر

عبادت کرنے والے اپنی عبادات میں طاقت ور بیلوں کی مانند سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

چھٹا منتر

اے تو کہ حمد کرتا ہے

دانائی کو مضبوطی سے تھام لے۔

ساتواں منتر

وہ دنیاؤں کا شہنشاہ ہے

انسانوں میں سے بہترین

اور پوری انسانیت کے لیے ہدایت۔

آٹھواں، نواں منتر

اس نے لوگوں کے لیے مامون ٹھکانہ حاصل کرلیا ہے

وہ ہر کسی کی حفاظت کرتا ہے

اور دنیا میں امن پھیلاتا ہے۔

دسواں منتر

لوگ اس کی حکومت میں خوش ہیں

ترقی کر رہے ہیں

ذلت کی گہرائیوں سے

عظمت کی بلندیوں تک

گیارھواں منتر

اسے کہا گیا کہ اُٹھے

اور دنیا کو خبردار کرے

بارھواں منتر

وہ انتہائی سخی ہے

اور بے حد نوازنے والا

تیرھواں منتر

(اس کے پیروکار)

دشمنوں کی مخالفت اور ایذا سے بچا لیے گئے ہیں تاکہ

آقا کو کوئی گزند نہ پہنچے

چودھواں منتر

ہم عظمت اور تعریف بیان کرتے ہیں

اس عظیم رہ نما کی

ایک نغمۂ توصیف اور دعا کے ساتھ

اس تعریف و توصیف کو قبول فرما

تاکہ باطل ہمیں گمراہ نہ کرے

یہاں سنسکرت زبان کا لفظ Narashansah استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں ''وہ جس کی تعریف کی گئی'' اور یہی معنی عربی میں ''محمد'' کے ہیں۔ یہ گویا ''محمد'' کا سنسکرت ترجمہ ہے۔ اسی طرح سنسکرت لفظ Kaurama کا مطلب ہے ''وہ شخص جو امن قائم کرنے اور پھیلانے والا ہو'' اور ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ امن کے سفیر تھے۔ آپؐ نے مساوات انسانی کی تعلیم دی اور عالمی بھائی چارہ قائم فرمایا۔ اسی لفظ کا ایک معنی ''ہجرت کرنے والا'' بھی ہے۔ پیغمبر ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تھی اور یوں آپ ﷺ ہجرت فرمانے والوں میں سے بھی تھے۔ یہ کہا گیا کہ ۶۰,۰۹۰ دشمنوں سے آپؐ کی حفاظت کی جائے گی اور مکہ کی آبادی (تقریباً) اتنی ہی تھی۔

- یہ کہا گیا کہ وہ اونٹ پر سواری کرے گا۔ یہاں یہ بات تو واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس سے مراد کوئی ہندوستانی تو ہو نہیں سکتا کیونکہ برہمنوں کے لیے اونٹ کی سواری ویسے ہی ممنوع ہے۔

''ایک برہمن کو اونٹ یا گدھے پر بیٹھنے کی اجازت نہیں، اور اسے برہنہ غسل کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ اسے چاہیے کہ پاکی حاصل کرنے کے لیے ضبط نفس سے کام لے۔''

(Sacred Books Of The East, Vol 25, p 472)

⊙ تیسرے منتر میں اس شخصیت کو ''Mamah'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس نام کا کوئی رشی یا کوئی پیغمبر ہندوستان میں یا کسی اور جگہ ہمارے علم میں نہیں۔ کسی کا یہ نام نہیں تھا۔ یہ لفظ ''Mah'' سے نکلا ہے جس کے معنی عروج، عظمت اور بلندی کے ہوتے ہیں۔ کچھ سنسکرت کتابوں میں یہ نام ''Mahamad'' بھی لکھا گیا ہے لیکن سنسکرت گرامر کی رُو سے اس لفظ کو نامناسب مفہوم میں بھی برتا جا سکتا ہے۔ اور عربی زبان کے لفظ پر سنسکرت گرامر لاگو کرنا یوں بھی غلط ہے۔ یہ لفظ ''Mamah'' ہی ہے اور اس کا تلفظ اور معنی دونوں لفظ ''محمد ﷺ'' سے مشابہ ہیں۔

⊙ پھر کہا گیا کہ اسے ''سونہری سکے'' دیے گئے۔ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ پر ابتدائی ایمان لانے والے اور مکی دور کے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو اس مشکل دور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ بعد ازاں کفارِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر وہ مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئے اور کچھ عرصہ بعد جب خود رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بھی وہاں آ گئے۔

⊙ دس ہاروں سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ دس بہترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ (یعنی وہ دس جنہیں بشارت دی گئی) یہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جنہیں زندگی ہی میں مغفرت اور کامیابی کی بشارت مل گئی تھی۔ خود نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے انہیں آخرت کی کامیابی اور جنت کے حصول کی خوشخبری مل گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کا نام لے کر اس کے جنتی ہونے کی تصدیق فرمائی۔

ان اصحابِ رسول ﷺ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

۶۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

۷۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ

۸۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۹۔ حضرت سعد ابن زید رضی اللہ عنہ

۱۰۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

⊙ اس کے بعد ذکر تین سو جنگی گھوڑوں کے تحفے کا ہے۔ سنسکرت لفظ Arwah کا مطلب ہے ''تیز رفتار عربی النسل گھوڑا'' یہاں تین سو گھوڑوں سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تین سو جاں نثار صحابہؓ ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر میں حصہ لیا تھا اور دشمن کی تعداد تین گنا زیادہ ہونے کے باوجود فتح مند لوٹے تھے۔

⊙ سنسکرت کا لفظ ''گئو'' دراصل ''گاؤ'' سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب لڑائی یا جنگ کے لیے روانہ ہونا بھی ہوتا ہے اور گائے کو بھی گئو ہی کہتے ہیں۔ گائے ہندو مذہب میں جنگ کی علامت بھی ہے اور امن کی بھی۔ یہاں دس ہزار گائیوں سے مراد وہ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں داخل ہونا تاریخ انسانی کا ایک منفرد واقعہ تھا۔ اس موقع پر کوئی قتل و غارت کوئی کشت وخون نہیں ہوا۔ یہ دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم ایک طرف تو گائے کی مانند ہمدرد اور نیک سرشت تھے تو دوسری طرف مضبوط اور بہادر بھی تھے۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (الفتح: ۲۹)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔''

- اگلے منتر میں سنسکرت کا ایک لفظ استعمال ہوا ہے Rebh، اس لفظ کا عربی ترجمہ کیا جائے تو وہ بنے گا ''احمد'' اور یہ بھی رسول اللہ ﷺ کا ایک نام ہے۔
- پھر یہ کہا گیا کہ وہ اور ان کے ساتھی ہمیشہ عبادات کو یاد رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں عبادت کو فراموش نہیں کرتے۔ قرآنِ مجید کی سورۂ بقرہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝﴾

(البقرہ: ۴۵)

''صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے لیکن فرمانبردار بندوں کے لیے نہیں۔''

اسی طرح قرآنِ مجید کی سورۂ نساء میں فرمایا گیا:

﴿ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ

﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝﴾

(النساء:۱۰۲، ۱۰۳)

''اور اے نبیؐ! جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالتِ جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور اپنا اسلحہ لیے رہے، پھر جب وہ سجدہ کرے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آ کر تمہارے ساتھ پڑھے اور وہ بھی چوکنا رہے اور اپنا اسلحہ لیے رہے، کیونکہ کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں۔ البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اسلحہ رکھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر پھر بھی چوکنے رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے، پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو۔ نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندیٔ وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔''

- اس منتر میں جس دانائی کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ قرآنِ مجید نہ صرف دنیا بلکہ آخرت کی بھلائی کا بھی ضامن ہے۔ رسول اکرم ﷺ سے کہا گیا کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی تعلیم دیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سوں نے قرآن مجید کو حفظ بھی کیا تھا۔
- اس سے اگلے منتر میں بیان شدہ تمام خصوصیات بھی صرف رسول اللہ ﷺ پر صادق آتی ہیں۔

سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

''اے نبیؐ! ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

سورۂ سبا میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝﴾ (سبا: ۲۸)

''اور (اے نبیؐ!) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

سورۂ القلم میں فرمایا گیا:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝﴾ (القلم: ٤)

''اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔''

سورۂ احزاب میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۝﴾ (الاحزاب: ۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے، اور ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت کا اُمیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

- کعبہ کی تعمیرِ نو کے دوران میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکمت و دانائی سے کام لے کر عرب قبائل کو ایک ممکنہ جنگ سے بچا لیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے نہ صرف جزیرۃ العرب میں امن قائم ہوا بلکہ باقی دنیا کو بھی امن و سلامتی کا پیغام انھی سے پہنچا۔

فتح مکہ کے دوران بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ پورا واقعہ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر مکمل ہو گیا اور نبی کریم ﷺ نے وہاں امن قائم فرما دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی سزا نہیں دی بلکہ یہ کہہ کر امن و سلامتی سے جانے دیا کہ:

''جاؤ! آج کے دن تم سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔''

⊙ آج سے چودہ صدیاں قبل، عرب قوم ایک جاہل قوم تھی۔ اس زمانے کو عربوں کی تاریخ میں کہا ہی ''ایام جاہلیت'' جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے پیغامِ ہدایت کے ذریعے اس قوم کو ترقی اور خوش حالی عطا فرمائی۔ ان لوگوں کو جہالت سے نکال کر پوری انسانیت کے لیے رہنما کے منصب پر فائز کیا۔

⊙ اس منتر میں تو گویا قرآنِ مجید کی ایک آیت کا ترجمہ ہی پیش کر دیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ (المدثر: ۱، ۳)

''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔''

اور پیغمبر ﷺ اسلام نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس حکم پر عمل فرمایا۔ آپؐ لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے اُٹھے اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان فرماتے رہے۔

⊙ قرآنِ مجید کی سورۂ آل عمران میں کہا گیا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝﴾

(آل عمران: ۱۵۹)

''(اے پیغمبرؐ!) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسہ پر کام کرتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کی نرمی، رحم دلی اور سخاوت کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع ہوتے چلے گئے۔ بصورتِ دیگران سخت مزاج عربوں کے دل جیتنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

- اس منتر میں ایک رشی کی دعا نقل کی گئی ہے اور نبی کریم ﷺ کو بھی ایک اس طرح کی دعا عنایت فرمائی گئی تھی جو ہمیں قرآنِ مجید کی آخری سورۃ میں ملتی ہے:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰـهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝﴾ (الناس: ۱ تا ۶)

''کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ، انسانوں کے حقیقی معبود کی، اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔''

- آخری منتر میں ویدوں کے ماننے والوں کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ آنے والے پیغمبر کی تعریف و توصیف کریں اور اس پر ایمان لائیں تاکہ اس دنیا کی برائیوں سے محفوظ رہ سکیں۔



ویدوں کی مزید پیش گوئیاں

اتھر وید میں کہا گیا ہے:

اے حق پرستوں کے خدا
یہ لوگ جو شراب معرفت سے مست ہیں
اور شجاعت کے کارنامے سرانجام دیتے ہیں
اور تجھے خوش کرنے کو نغمہ سرا ہیں میدان وغا میں
اور بغیر خون بہائے انہوں نے شکست دی
دعا و ثنا کرنے والے کے دس ہزار دشمنوں کو

(اتھر وید، کتاب ۲۰، مناجات ۱)

یہ پیش گوئی تاریخ اسلام کی مشہور جنگ غزوۂ احزاب کے بارے میں ہے۔ یہ جنگ رسول اللہ ﷺ کے دورِ مبارک میں ہوئی تھی اور باقاعدہ جنگ کیے بغیر ہی اللہ کے رسول ﷺ کو فتح حاصل ہوگئی تھی۔ قرآنِ مجید کی سورۂ احزاب میں اس غزوہ کا ذکر کچھ یوں کیا گیا ہے:

﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًاo﴾

(الاحزاب:۲۲)

''اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا) کہ جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ ''یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی بات بالکل سچی تھی'' اس واقعہ نے ان کے ایمان اور ان کی سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا تھا۔''

اس منتر میں استعمال ہونے والے سنسکرت لفظ ''کارو'' کا مطلب ہوتا ہے ''دعا کرنے والا'' یا ''تعریف کرنے والا'' جس کا عربی ترجمہ کیا جائے تو وہ بنے گا ''احمد'' جو کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک اسمِ مبارک ہے۔

اس جنگ میں شریک کفار کی تعداد دس ہزار تھی جب کہ مسلمان صرف تین ہزار تھے۔ منتر میں بھی دشمنانِ رسول ﷺ کی تعداد دس ہزار بتائی گئی ہے۔

منتر کے آخری الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ بغیر جنگ کیے دشمنوں کو شکست ہو گئی تھی (اور واقعہ یہ ہے کہ اس جنگ میں دو بدو لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی تھی)

فتح مکہ

اتھروید میں کہا گیا ہے:

تو نے اے ہند
بیس بادشاہوں کو معزول کیا
اور اُن ۶۰,۰۹۹ صاحب ساز و سامان
لوگوں کو بھی
جو لڑنے آئے تھے
اس صاحب توصیف و ثنا یتیم سے

(اتھروید، کتاب ۲۰، مناجات ۲۱، سطر ۷)

مندرجہ بالا پیش گوئی کے حوالے سے تین باتیں قابل ذکر ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کے وقت میں مکہ کی آبادی تقریباً ساٹھ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔

۲۔ مکہ میں متعدد قبائل تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا سردار تھا اور ان سرداروں کی کل تعداد ۲۰ تھی۔ یہی سردار مکہ کی آبادی کے حکمران تھے۔

۳۔ یہاں جو لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے معنی ہیں ''جس کی بہت تعریف کی جائے'' اور ''محمد'' کے معنی بھی یہی ہیں۔

اسی طرح کی ایک پیش گوئی رگ وید میں بھی موجود ہے۔ جس میں سنسکرت کا لفظ ''Susharna'' استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کے معنی بھی ''تعریف کے قابل'' یا ''وہ جس کی بہت تعریف کی جائے'' ہیں۔ اور اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے عربی لفظ ''محمدؐ'' ہے۔

سام وید کی پیش گوئی

''احمد نے اپنے خدا سے قانونِ دائمی کا علم حاصل کیا۔ جس سے میں نے اسی طرح نورِ (ہدایت) حاصل کیا، جس طرح سورج سے روشنی ملتی ہے۔''

(سام وید، کتاب ۲، مناجات ۶)

اس منتر میں پیغمبر کا نام ''احمد'' بتایا گیا ہے اور یہ ایک عربی نام ہے۔ ویدوں کے اکثر مترجمین نے اس لفظ کا ترجمہ کرنے کی کوشش میں ٹھوکر کھائی ہے۔ اور لفظ کو ''احمت'' سمجھ کر ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوسرے اس منتر میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر کو ابدی اور دائمی قانون عطا کیا گیا۔ اس سے مراد اسلام کا ''قانون شریعہ'' ہے۔

رشی کہتا ہے کہ میں نے پیغمبر ﷺ کے قانون سے ہدایت حاصل کی اور قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

لَا يَعْلَمُوْنَ o ﴾ (سبا: ۲۸)

''اور (اے نبیؐ!) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''



ہندوؤں کی جانب سے عام طور پر اسلام کے بارے میں پوچھے جانے والے سوالات

(حصہ دوم)

کیا وید وحی خداوندی ہیں؟

(سوال): ......اگر یہ درست ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہر دور میں (اور ہر علاقے میں) وحی نازل ہوئی ہے تو پھر ہندوستان کی طرف کون سی ہدیت بھیجی گئی تھی؟ اور کیا ''وید'' اور ہندومت کی دیگر مقدس کتابیں وحی خداوندی ہوسکتی ہیں؟

(جواب): ......**وحی ہر دور میں نازل ہوئی**

اس بات کا تذکرہ ہمیں قرآنِ مجید فرقانِ حمید کی درج ذیل آیت مبارکہ میں ملتا ہے۔

سورۂ رعد میں فرمایا گیا:

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ۝﴾

(الرعد:۳۸)

''تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا۔ اور کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی خود لا دکھاتا۔ ہر دور کے لیے ایک کتاب ہے۔''

قرآن میں چار کتابوں کا ذکر ہے

قرآنِ مجید میں صرف چار الہامی کتابوں کا ذکر نام لے کر کیا گیا ہے۔ اور یہ چار کتابیں درج ذیل ہیں:

۱۔ توراۃ

۲۔ زبور

۳۔ انجیل

۴۔ قرآنِ مجید

توراۃ سے مراد وہ وحی خداوندی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

زبور سے مراد وہ الہامی کلام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوا۔

انجیل سے مراد وہ وحی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور قرآنِ مجید وہ وحی خداوندی ہے جس کا نزول پیغمبر اعظم و آخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ یہ ہدایت الٰہی کی حتمی اور آخری صورت ہے۔

سابقہ کتب خاص قوموں کے لیے تھیں

قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتب مقدسہ کسی خاص قوم اور ایک خاص عرصے تک کے لیے نازل ہوتی تھیں۔ لہٰذا ان کی پیروی بھی اسی عرصے تک مطلوب تھی۔

قرآن پوری بنی نوع انسان کے لیے ہے

قرآنِ مجید چونکہ آخری اور حتمی وحی الٰہی ہے، اس لیے اس کو پوری انسانیت کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا گیا ہے۔ محض مسلمانوں یا یوں کہیے کہ محض عربوں کے لیے نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِo﴾ (ابراھیم:۱)

ا۔ل۔ر۔ (اے محمدؐ!) یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، ان کے رب کی توفیق سے، اس خدا کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔''

اسی سورۂ مبارکہ میں آگے چل کر ہمیں ایک اور پیغام ملتا ہے:

﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (ابراھیم:۵۲)

''یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے اور یہ بھیجا گیا ہے اس لیے کہ ان کو اس کے ذریعہ سے خبردار کیا جائے۔ اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آجائیں۔''

سورۂ البقرہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ﴾ (البقرہ:۱۸۵)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔''

سورۂ زمر میں فرمایا گیا:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾

(الزمر: ۴۱)

''(اے نبیؐ!) ہم نے اب انسانوں کے لیے یہ کتاب برحق تم پر نازل کر دی ہے۔ اب جو سیدھا راستہ اختیار کرے گا اپنے لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا اس کے بھٹکنے کا وبال اسی پر ہو گا، تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو۔''

ہندوستان میں کون سی وحی نازل ہوئی؟

یہاں یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ ہندوستان میں کون سی وحی خداوندی نازل ہوئی تھی اور یہ کہ کیا ہم ویدوں کو اور ہندومت کے دیگر متون مقدسہ کو الہامی یا منزل من اللہ سمجھ سکتے ہیں؟

تو بات یہ ہے کہ ویدوں یا ہندومت کی دیگر کتابوں میں سے کسی کتاب کا نام قرآنِ مجید یا احادیث صحیحہ میں نہیں ملتا۔ نہ ہی کسی ایسی وحی کا ذکر ملتا ہے جو ہندوستان کے علاقے میں نازل ہوئی ہو لہٰذا ہم یقین سے تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ الہامی کتابیں ہیں لیکن اس امکان کی نفی بھی نہیں کر سکتے۔

بالفاظ دیگر یہ کتابیں الہامی ہو بھی سکتی ہیں اور نہیں بھی۔

بالفرض اگر وید الہامی ہیں؟

اگر بالفرض وید یا ہندومت کی دیگر مقدس کتابیں الہامی متون تھے بھی اور خدا کی طرف سے نازل ہوئے بھی تھے تو پھر بھی یہ صرف ایک خاص دور کے لوگوں کے لیے تھے۔

آج دنیا کے تمام انسانوں کو، اور ان میں ہندوستانی بھی شامل ہیں، صرف ایک ہی وحی خداوندی کی پیروی کرنی ہے، جو اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی آخری اور حتمی کتاب ہدایت ہے۔ یعنی قرآنِ مجید فرقانِ حمید۔

مزید برآں چونکہ سابقہ الہامی کتابیں ہمیشہ کے لیے نازل نہیں کی گئی تھیں لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں محفوظ بھی نہیں فرمایا۔ دنیا کے کسی بھی مذہب کی کوئی بھی کتاب ایسی نہیں جو من جانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہو اور اپنی اصل حالت میں محفوظ ہو۔ جس میں کسی قسم کی تحریف نہ ہوئی ہو، تدلیس یا تبدیلی نہ ہوئی ہو۔

لیکن قرآنِ مجید کی پیروی چونکہ روزِ قیامت تک ہونی ہے اور یہ انسانوں کے لیے ابدی ہدایت کا ذریعہ ہے لہٰذا اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر:٩)

”اس ذکر (قرآن) کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔“



کیا رام اور کرشن پیغمبر تھے؟

سوال:...... اگر اسلام کہتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم میں پیغمبر بھیجے گئے تھے تو پھر ہندوستان کی طرف کون سے پیغمبر کو مبعوث فرمایا گیا تھا؟ اور کیا ہم رام اور کرشن کو اللہ کے پیغمبر سمجھ سکتے ہیں؟

جواب:...... **ہر قوم کی طرف پیغمبر بھیجے گئے**

قرآنِ مجید کی سورۂ فاطر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ٥﴾ (فاطر: ٢٤)

''ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ اور کوئی اُمت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔''

اسی طرح کی بات قرآنِ مجید میں ایک دوسری جگہ بھی فرمائی گئی ہے:

﴿وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (الرعد:٧)

''اور ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہے۔''

چند پیغمبروں کے ہی واقعات بیان کیے گئے

سورۂ نساء میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

﴿وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ

عَلَيْكَ ﴾ (النساء:١٦٤)

’’ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا۔‘‘

سورۂ غافر میں بھی ہمیں اس سے ملتا جلتا پیغام دیا گیا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ (المؤمن:٧٨)

’’(اے نبیؐ!) تم سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو بتائے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے۔‘‘

بعض انبیاء کے نام بتائے گئے

قرآنِ مجید میں صرف ۲۵ انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر نام لے کر کیا گیا ہے جن میں حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت محمد علیہم السلام اور دیگر انبیاء کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام مبعوث فرمائے جا چکے ہیں۔

انبیا صرف اپنی اُمتوں کے لیے

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تشریف لانے والے انبیائے کرام علیہم السلام کو صرف ان کی اپنی قوم کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اسی طرح ان کی پیروی ایک خاص زمانے اور خاص وقت تک کے لیے لازم تھی۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ (آل عمران: ٤٩)

’’اور (عیسیٰ علیہ السلام کو) بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کیا۔‘‘

حضرت محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں۔ قرآنِ مجید میں اس بات کا اعلان یوں فرمادیا گیا ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (الاحزاب: ۴۰)

''(لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

حضرت محمد ﷺ کی نبوت پوری انسانیت کے لیے

چونکہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کا آخری اور حتمی پیغام لائے تھے لہٰذا آپ کی نبوت مسلمانوں یا عربوں (یا کسی بھی خاص قوم یا علاقے) سے مخصوص نہیں تھی۔ آپ ﷺ کی نبوت پوری انسانیت کے لیے تھی۔

اس بات کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (انبیاء: ۱۰۷)

''اے نبیؐ! ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

اسی طرح سورۂ سبا میں فرمایا گیا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سبا: ۲۸)

''اور (اے نبیؐ!) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں کہا گیا:

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو اپنی قوم ہی کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے لیکن مجھے پوری انسانیت کے

لیے بھیجا گیا ہے۔" (بخاری، کتاب الصلوٰۃ)

ہندوستان میں کون سے پیغمبر تشریف لائے

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ہندوستان میں کون سے پیغمبر تشریف لائے تھے؟ اور کیا رام اور کرشن اللہ کے پیغمبر ہو سکتے ہیں؟ تو اس سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآنِ مجید اور احادیث صحیحہ میں کسی ایسے پیغمبر کا ذکر نہیں ملتا جنہیں ہندوستان میں مبعوث کیا گیا ہو۔

چونکہ رام اور کرشن وغیرہ کا نام قرآن وحدیث میں کسی بھی جگہ مذکور نہیں ہے لہٰذا یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ لوگ نبی یا پیغمبر تھے یا نہیں تھے۔ بعض مسلمان خصوصاً بعض مسلمان سیاستدان ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''رام علیہ السلام'' وغیرہ کہنا۔ یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ ہمارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ قرآن وحدیث سے اس بات کی کوئی دلیل نہیں ملتی کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے۔ ہاں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ''شاید'' وہ پیغمبر ہوں ...... اور بس۔

اگر وہ پیغمبر تھے بھی؟

فرض کیجیے کہ رام اور کرشن اللہ کے پیغمبر تھے بھی تو وہ صرف ایک خاص زمانے تک کے لیے اور ایک خاص قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہوں گے۔ ان کی پیروی صرف اس زمانے کے لوگوں ہی پر فرض تھی۔ آج ہندوستان سمیت پوری دنیا کے لوگوں کی ہدایت صرف اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی پر منحصر ہے۔ لہٰذا سب کو انھی کی پیروی کرنی چاہیے۔

ہندومت کے اوتار

جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے، اس میں پیغمبروں کا کوئی تصور موجود نہیں۔ البتہ اوتاروں کا تصور ہمیں ضرور نظر آتا ہے۔ ''اوتار'' سنسکرت زبان کا لفظ ہے، یہ دو لفظوں سے مل کر بنا ہے یعنی ''او'' جس کا مطلب ہے نیچے اور ''تار'' جس کا مطلب ہے گزرنا۔ تو اوتار کا مطلب ہے ''وہ جو نیچے اترا۔''

آکسفرڈ ڈکشنری میں اس لفظ کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے:

(ہندو اساطیر کے پس منظر میں) ایک نجات یافتہ روح (یعنی دیوی، دیوتا) کا انسانی جسم میں زمین پر اترنا۔

آسان لفظوں میں کہا جائے تو اوتار کا مطلب ہے خدا کا انسانی صورت میں زمین پر آنا۔

ہندومت میں یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مذہب کی حفاظت کے لیے، انسانوں کے لیے ایک مثال پیش کرنے کے لیے یا ان کے لیے اصول وضوابط معین کرنے کے لیے خدا خود انسانی صورت میں زمین پر آتا ہے۔ ویدوں میں اوتاروں کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ وید ہندومت کی مقدس ترین کتب ہیں لیکن ان میں اوتاروں کا کوئی تصور موجود نہیں۔ ''شروتی'' میں اوتاروں کا کوئی ذکر نہیں البتہ سمرتی میں اوتاروں کا ذکر موجود ہے۔ یعنی ''پُران'' اور اتہاس میں اوتاروں کا حوالہ ملتا ہے۔

ہندوؤں میں جو متون زیادہ مقبول ہیں اور زیادہ پڑھے جاتے ہیں ان میں اوتاروں کا ذکر موجود ہے۔ مثال کے طور پر بھگود گیتا میں کہا گیا:

''جب بھی اور جہاں بھی
مذہب پر زوال آتا ہے
اے بھرت کی اولاد
جب بھی لا مذہبیت کا دور دورہ ہوتا ہے
تو میں اترتا ہوں
جو نیک ہیں ان کی مدد کے لیے
جو بُرے ہیں انھیں ختم کرنے کے لیے
اور (مذہبی) اصولوں کو قائم کرنے کے لیے
ہر ہزار سال کے بعد

میں خود ظاہر ہوتا ہوں۔''

(بھگود گیتا، باب ۴)

گویا بھگود گیتا کے مطابق پاک لوگوں کی مدد کے لیے، گناہ گاروں کو سزا دینے کے لیے اور مذہبی اصولوں کو دوبارہ مستحکم کرنے کے لیے خدا خود اوتاروں کی صورت میں زمین پر اترتا ہے۔

اوتاروں کی تعداد

''پرانوں'' کے مطابق اوتاروں کی کل تعداد تو سینکڑوں میں ہے لیکن ''وشنو'' کے مندرجہ ذیل دس اوتار بتائے گئے ہیں:

۱: منسیا اوتار...... مچھلی کی صورت میں

۲: کرم اوتار...... کچھوے کی صورت میں

۳: وراہ اوتار...... خنزیر کی صورت میں

۴: نرسمہا اوتار...... بلا (Monster) کی صورت میں جو آدھا انسان ہے اور آدھا شیر۔

۵: ومن اوتار...... ایک پستہ قد برہمن کی صورت میں جس کا نام ومن تھا۔

۶: پرشورام اوتار...... پرشورام کی صورت میں

۷: رام اوتار...... رام کی صورت میں جو رامائن کا بنیادی کردار ہے

۸: کرشنا اوتار...... گیتا کے بنیادی کردار، کرشن کی صورت میں

۹: بدھ اوتار...... گوتم بدھ کی صورت میں

۱۰: کلکی اوتار...... کلکی کی صورت میں

یہ تمام متن جو کچھ بیان کر رہے ہیں وہ واضح ہونے کے باوجود حقیقت سے دور ہے۔

حلول کا عقیدہ

بات یہ ہے کہ انسانوں کے بارے میں، جاننے کے لیے خدا کو انسانی صورت اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بہت سے مذاہب حلول اور تناسخ کے عقیدے پر تھوڑا بہت یا

زیادہ زور دیتے نظر آتے ہیں۔ اسے فلسفہ تناسخ یا فلسفہ حلول کہا جاتا ہے یعنی خدا کا انسانی صورت اختیار کر لینا۔ وہ اس کے لیے ایک منطقی دلیل بھی فراہم کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی پاک اور اتنی مقدس ہے کہ دکھ، درد، تکلیف، پریشانی اور مصیبت جو انسان کو درپیش آتی ہیں ان سے وہ لاعلم ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ جب ایک انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے یا وہ کسی پریشانی میں ہوتا ہے تو اس پر کیا گزرتی ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے قوانین وضع کرنے کی خاطر وہ خود انسان کی صورت میں زمین پر آتا ہے۔ بظاہر یہ منطق بالکل درست معلوم ہوتی ہے، لیکن در حقیقت ایسا نہیں۔

بنانے والا صرف ایک ہدایتی کتابچہ فراہم کرتا ہے

فرض کیجیے میں ایک ٹیپ ریکارڈر بناتا ہوں۔ اب کیا یہ جاننے کے لیے مجھے خود ٹیپ ریکارڈر بننا ہوگا کہ اس ٹیپ ریکارڈر کے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا؟ میں صرف اتنا کرتا ہوں کہ ایک ہدایتی کتابچہ لکھ دیتا ہوں۔ اس کتابچے میں لکھا ہوتا ہے کہ کیسٹ سننے کے لیے کیسٹ کو ریکارڈر میں ڈالیں اور PLAY کا بٹن دبائیں، اسی طرح روکنے کے لیے STOP کا بٹن دبائیں۔ کیسٹ آگے کرنے کے لیے فلاں اور پیچھے کرنے کے لیے فلاں بٹن دبائیں۔ اس ٹیپ ریکارڈر کی حفاظت کریں، اگر یہ اونچی جگہ سے گرا یا اس میں پانی چلا گیا تو یہ خراب ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ میں ہدایات پر مشتمل ایک کتاب لکھ دوں گا، جس میں درج ہوگا کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔

قرآنِ مجید پوری انسانیت کے لیے ہدایت نامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو انسان کے بارے میں آگاہی کے لیے انسان بننے کی (نعوذ باللہ) ضرورت نہیں ہے۔ انسانوں کو یہ بتانے کے لیے کہ ان کے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا؟ اسے خود ہم انسانوں کی صورت اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس نے صرف یہ کرنا ہے کہ انسانیت کے لیے ایک ہدایت نامہ نازل کر دے۔ آخری اور حتمی ہدایت نامہ قرآنِ مجید کی صورت میں نازل کیا جا چکا ہے۔

اس ہدایت نامے میں یہ بتادیا گیا ہے کہ انسان کو (کامیابی کے لیے) کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں؟ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر منتخب کرتا ہے۔ اپنا پیغام انسانوں تک پہنچانے کے لیے وہ انسانوں ہی میں سے ایک انسان کو منتخب کرتا ہے، جس کے ذریعے اس کی ہدایت ہم تک پہنچتی ہے۔ اس کے لیے اُسے خود زمین پر آنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک خاص انسان تک وحی کے ذریعے اپنی ہدایت اور رہنمائی منتقل کرتا ہے جس کے ذریعے یہ ہدایت دیگر انسانوں تک پہنچتی ہے۔ یہ خاص انسان اللہ کے نبیؐ اور پیغمبرؑ کہلاتے ہیں۔

تصورِ آخرت

قرآنِ مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ:۲۸)

’’تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اس نے تمھیں زندگی عطا کی۔ پھر وہی تمہاری جان سلب کرے گا، پھر وہی تمھیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا، پھر اسی کی طرف تمھیں پلٹ کر جانا ہے۔‘‘

اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ انسان اس دنیا میں صرف ایک بار ہی آتا ہے۔ اور جب وہ یہاں اپنی زندگی پوری کر کے مرجاتا ہے تو پھر وہ قیامت کے دن ہی دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ پھر اس کے اعمال کا حساب ہوگا اور اپنی نیکیوں اور گناہوں کے لحاظ سے وہ یا تو جنت میں چلا جائے گا یا دوزخ میں۔

دنیاوی زندگی امتحان ہے

قرآنِ مجید میں فرمایا گیا:

﴿ الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ ﴾ (الملک:۲)

’’جس نے زندگی اور موت کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے

کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔''

گویا اس دنیا کی زندگی دراصل ایک امتحان ہے، آخرت کی زندگی کے لیے۔ اب اگر ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہدایات اور احکام کے مطابق یہاں زندگی گزاریں گے، جو ہمارا خالق و مالک ہے، تو ہم اس امتحان میں کامیاب ٹھہریں گے اور جنت میں داخل ہوں گے یعنی حیات ومسرت ابدی پائیں گے۔

اس کے برعکس اگر ہم اپنے خالق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات پر عمل نہیں کریں گے تو اس کا مطلب امتحان میں ناکامی ہوگا۔ اور امتحان میں ناکام ہونے والے جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔

قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیا جائے گا

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ ﴾ (آل عمران:۱۸۵)

''آخرکار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔''

جنت

الجنۃ یا بہشت سے مراد دائمی مسرت اور شادمانی کی جگہ ہے، عربی زبان کے اس لفظ کا لغوی مطلب ''باغ'' ہے۔ قرآنِ مجید میں جنت کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ وہاں جانے والوں کو کیا کیا نعمتیں عطا کی جائیں گی۔ جنت میں پاک وصاف دودھ

اور شہد کی نہریں ہوں گی۔ یہ ایک خوشگوار باغ ہوگا جس کے نیچے پانی کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہاں ہر قسم کے پھلوں کی بہتات ہوگی۔ جنتیوں پر کبھی کوئی تکلیف نہیں آئے گی، نہ ان پر کبھی تھکن طاری ہوگی۔ جنت میں کسی طرح کی بھی فضول باتیں نہیں ہوں گی، ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آوازیں آئیں گی۔

دوزخ

دوزخ سزا کی جگہ ہے۔ اس جگہ گناہ گار لوگوں کو سزا دی جائے گی۔ دوزخ یا جہنم کا ذکر عموماً آگ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ایک ایسی آگ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

’’پنر جنم‘‘ تناسخ نہیں ہے

دوبارہ زندہ ہونے کے عقیدے کے حوالے سے عام طور پر ’’پنر جنم‘‘ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ سنسکرت زبان میں ’’پنر‘‘ کا مطلب ہے ’’اگلی دفعہ‘‘ یا ’’دوبارہ‘‘ اور ’’جنم‘‘ سے مراد ہے ’’زندگی‘‘۔ لہٰذا پنر جنم کے معنی ہوئے ’’دوبارہ زندگی‘‘ یا ’’اگلی زندگی‘‘۔ اس کا مطلب ’’بار بار دنیا میں آنا‘‘ نہیں ہے۔ ویدوں کے علاوہ بھگود گیتا اور ہندومت کی دیگر مقدس کتابوں میں جہاں بھی ’’پنر جنم‘‘ کا ذکر آیا ہے اگر سیاق وسباق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیشتر صورتوں میں اس سے ’’دوسری زندگی‘‘ یا ’’اگلی زندگی‘‘ کا تصور ہی ملتا ہے۔ آواگون یا تناسخ کا نہیں۔

تناسخ کا یہ عقیدہ بہت بعد میں سامنے آیا۔ یہ ویدک دور کے بعد کی بات ہے جب اس عقیدہ کی نشوونما ہوئی۔ اور اس تصور کے ذریعے انھوں نے لوگوں کے مختلف حالات میں پیدا ہونے اور مختلف حالات میں رہنے کی توجیہہ کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ وہ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ہمارا عظیم خالق ’’بے انصاف‘‘ نہیں ہوسکتا۔

اسلام اس سوال کا ایک بہتر عقلی جواب دیتا ہے جس پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔ ان شاء اللہ

ویدوں میں تصورِ حیات بعد الموت

ویدوں میں اس حوالے سے بیانات موجود ہیں:

''وہ حصہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔
اے اگنی، اپنی حدت سے
اپنے شعلے سے جلا دے اسے
وہ عظیم اعضا جو تو نے اسے دیے ہیں
اُس کو نیک لوگوں کی دنیا میں منتقل کردے......''

(رگ وید، کتاب ۱۰، مناجات ۱۶)

سنسکرت لفظ ''سکری تم اولوکم'' کا مطلب ہے نیک لوگوں کی دنیا یا ''اچھے لوگوں کا علاقہ'' اور اس سے مراد آخرت کی زندگی ہے۔ آگے بھی ہم دیکھتے ہیں کہ آئندہ زندگی یا آخرت کی زندگی کے بارے میں واضح اشارے دیے گئے ہیں......۔

سورگ کا تصور

''سورگ'' یا جنت کا تصور بھی ہمیں ویدوں میں جا بجا ملتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ بیان ملاحظہ کیجیے:

''مکھن کی ندیاں جن کے کنارے شہد کے ہیں
صاف شفاف پانی کے ساتھ بہتے ہوئے
دودھ اور پانی کی نہریں
تیری زندگی تک پہنچیں
اور تیری روح کو گوناگوں طریقوں سے
تقویت پہنچائیں۔''

(اتھروید، کتاب ۴، مناجات ۳۴)

''صاف مکھن کے تالاب

بڑی مقدار میں میٹھا شہد

اور پانی کی جگہ تسکین بخش مشروب

اور دودھ اور دہی سے بھری ہوئی ندیاں

ہماری طرف آئیں

شادمانی کی دنیا میں......

ہماری جھیلوں کو کنول کے پھولوں سے بھر دے

ہمارے قریب ہو جا۔''

(اتھروید، کتاب ۴، مناجات ۳۴)

''جسمانی وجود سے محروم

پاک صاف ہوا کے ساتھ تابندہ

درخشاں دنیا کی طرف جاتے ہیں

آگ ان کے اعضائے رئیسہ کو جلاتی نہیں

دنیائے مسرت میں انھیں بہت سی عورتیں ملتی ہیں۔''

(اتھروید، کتاب ۴، مناجات ۳۴)

اسی طرح کے متعدد دیگر بیانات بھی ویدوں میں ملتے ہیں۔

نرکھ کا تصور

ویدوں میں جہنم، دوزخ یا نرکھ کا تصور بھی ملتا ہے، سنسکرت میں اس کے لیے ''نرکھ استھنم'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

رگ وید میں کہا گیا ہے:

''وہ خدائی آگ انھیں بھسم کر دے گی

اپنے خوفناک شعلوں کے تیز جبڑوں سے

انھیں جو احکام کی پروا نہیں کرتے

اور اپنے مالک کے قوانین پر عمل نہیں کرتے۔''

(رگ وید، کتاب ۴، مناجات ۵)

تصورِ تقدیر

اسلام میں قدر یا تقدیر کا تصور سمجھنے سے پیشتر یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ انسانی زندگی کے بعض پہلو ایسے ہیں جن پر اس کا اختیار نہیں کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے ہی طے شدہ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہ ایک شخص کب اور کہاں پیدا ہوگا۔ اسے کتنی زندگی ملے گی اور یہ کہ اس کی موت کہاں واقع ہوگی۔

حالات میں فرق کا سبب

مختلف افراد کے حالات پیدائشی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک بچہ معذور ہوسکتا ہے دوسرا صحت مند، ایک بچہ امیر ترین گھرانے میں پیدا ہوسکتا ہے دوسرا غریب ترین خاندان میں۔ ہندومت میں اس فرق کا سبب پچھلے جنم کے کرم یا اعمال کو قرار دیا جاتا ہے۔

تناسخ یا آواگون کے اس عقیدے کی کوئی منطقی یا سائنسی دلیل موجود نہیں۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، اسلام ہمیں قرآن میں اس بارے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ سورۂ ملک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ ﴾ (الملك:۲)

''جس نے زندگی اور موت کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔''

موجودہ زندگی ایک امتحان ہے

قرآنِ مجید کی متعدد آیات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مختلف طرح کے حالات کے

ذریعے اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴾ ○

(البقرة: ٢١٤)

”پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت کا داخلہ تمھیں مل جائے گا، حالاں کہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (اس وقت انھیں تسلی دی گئی کہ) ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔“

قرآنِ مجید کی سورۂ عنکبوت میں بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد اس معاملے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○﴾ (العنكبوت: ٢، ٣)

”کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ”ہم ایمان لائے“ اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالاں کہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟“

سورۂ انبیاء میں فرمایا گیا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○﴾ (الانبياء: ٣٥)

''ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں۔ آخر کار تمھیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔''

سورۂ بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرة:۱۵۵)

''اور ہم ضرور تمھیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمھاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں، انھیں خوش خبری دے دو۔''

اسی طرح سورۂ انفال میں ہمیں یہ بات ملتی ہے:

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (الانفال:۲۸)

''اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں۔ اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے۔''

ہندومت میں حیات بعد الموت کا تصور

ہندومت میں ایک تصور بار بار جنم لینے اور بار بار اس دنیا میں آنے کا ملتا ہے۔ اس تصور یا عقیدے کے لیے بہت سے نام استعمال ہوتے ہیں، اسے وہ Transmigration of Soul بھی کہتے ہیں۔ اور Reincarnation بھی، اور یہ عقیدہ آواگون بھی کہلاتا ہے لیکن ہندو مذہب میں اس کے لیے ''سمسارہ'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ سمسارہ کا عقیدہ ہندومت کے بنیادی عقاید میں سے ایک خیال کیا جاتا ہے۔

ہندومت میں اس عقیدے کی مدد سے مختلف لوگوں کے مختلف حالات میں پیدا ہونے کی توجیہہ کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک بچہ صحت مند پیدا ہوا ہے اور دوسرا معذور تو یہ دراصل ان کے پچھلے جنم کے کرموں کا پھل ہے یعنی وہ کام جو انھوں نے اپنی پچھلی زندگی

میں کیے تھے۔ اسی طرح اگر ہماری زندگی میں اچھے اور برے کاموں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اگلے جنم میں ان کا نتیجہ نکل ہی آئے گا۔

بھگود گیتا میں کہا گیا ہے:

''جیسے ایک شخص پرانے کپڑے اتار کر نئے پہن لیتا ہے اسی طرح روح بھی پرانے اور بیکار مادی اجسام کو چھوڑ کر نئے جسموں میں آ جاتی ہے۔''

(بھگود گیتا، باب ۲، نمبر ۲۲)

دوبارہ جنم لینے کے عقیدے کا ذکر ہمیں اپنشدوں میں بھی ملتا ہے۔ ایک اپنشد میں کہا گیا:

''جس طرح ایک ایک سنڈی ایک پتے سے دوسرے پتے پر منتقل ہو جاتی ہے، اسی طرح روح بھی ایک جسم سے دوسرے جسم تک منتقل ہو جاتی ہے اور ایک نیا وجود اختیار کر لیتی ہے۔''

(برہدرنا نکا اپنشد، حصہ ۴، باب ۴)

کرم: سبب اور نتیجے کا قانون

کرم کا مطلب ہوتا ہے افعال یا اعمال۔ اس میں جسمانی افعال بھی شامل ہیں اور ذہنی بھی۔ کرم دراصل عمل اور ردِّ عمل کا نام ہے یا یوں کہیے کہ سبب اور نتیجے کا۔

''جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔''

ایک کسان گندم بو کر چاول کاٹنے کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح ایک اچھی سوچ ایک اچھی بات یا ایک اچھا عمل بھی اپنا ردِّ عمل ضرور مرتب کرتا ہے۔ یہ ردِّ عمل یا یہ اثر ہماری اگلی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے، اسی طرح بری بات یا برا عمل بھی اسی زندگی میں یا آئندہ زندگی میں ہم پر اثر انداز ہوتا ہے۔

دھرم...... فرائض

دھرم سے مراد لازمی فرائض یا ذمہ داریاں ہیں۔ اسی میں فرائض کی ہر سطح شامل ہے۔ بحیثیت فرد بحیثیت خاندان، بحیثیت طبقہ، بحیثیت جماعت غرض پوری کائنات کو اچھے کرم

کمانے کے لیے اپنی زندگی دھرم کے مطابق گزارنی چاہیے۔

بصورتِ دیگر ہم برے کرم جمع کریں گے۔ دھرم نہ صرف موجودہ بلکہ آئندہ زندگی کو بھی بدل سکتا ہے۔

مکشا: آواگون سے نجات

''مکشا'' سے مراد بار بار جنم لینے کے چکر یعنی سمسارہ سے نجات ہے۔ ہر ہندو کے لیے آخری مقصد اور منزل یہی ہے کہ وہ اس چکر سے نجات پا جائے اور اس کو دوبارہ جنم نہ لینا پڑے۔ لیکن اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اس کا کوئی کرم ایسا نہ ہو، جس کی وجہ سے اس کو دوبارہ جنم لینا پڑے، یعنی نہ کوئی اچھا کرم ہو اور نہ بُرا۔

یہ عقیدہ ویدوں میں نہیں ہے

ویدوں میں ہمیں بار بار جنم لینے کے اس عقیدے کے بارے میں کوئی بات نہیں ملتی۔ کسی بھی وید میں کوئی ایسا بیان موجود نہیں جو روح کے اس طرح جسم بدلنے کے عقیدے کی تائید کرتا ہو۔



کیا خدا عادل ہے؟

(سوال):......اگر خدا عادل ہے تو پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بعض لوگ صحت مند پیدا ہوں اور بعض گونگے بہرے؟ بعض امیر ترین گھروں میں پیدا ہوں اور بعض غریب ترین گھروں میں؟

(جواب):......زندگی ایک امتحان ہے

قرآنِ مجید کی سورۂ ملک میں فرمایا گیا ہے:

﴿ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ o ﴾ (الملک:۲)

''جس نے زندگی اور موت کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔''

اللہ تعالیٰ مختلف لوگوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے، جس طرح امتحانوں کے پرچے بدلتے رہتے ہیں ہر بار ایک ہی پرچہ نہیں آتا۔ ہر سال وہی سوالات نہیں ہوتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر کسی سے الگ امتحان لیتا ہے۔ ہر انسان کو مختلف امتحان دینا پڑتا ہے۔ کچھ لوگوں کو صحت دے کر ان کا امتحان لیا جاتا ہے، کچھ کو بیماری اور معذوری دے کر، کچھ لوگوں کو دولت دے کر آزمایا جاتا ہے تو کچھ کی آزمائش غربت اور تنگ دستی سے کی

جاتی ہے۔

فیصلہ امتحان کے مطابق ہوگا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر بندے کا فیصلہ اسے دی گئی سہولتوں اور اس پر پڑنے والی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی کیا جاتا ہے، اگر اس کی آزمائشیں مشکل تھیں تو یقیناً اس کے ساتھ رعایت کی جائے گی۔ یوں بھی مشکل حالات کا فائدہ اس امتحان میں ہوتا ہی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص غریب ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی کے حوالے سے اس شخص کا کوئی نمبر نہیں کٹے گا جب کہ دوسری طرف ایک امیر آدمی پر زکوٰۃ فرض ہے لیکن اکثر امیر لوگ پوری زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، لہٰذا وہ اسی حوالے سے پکڑے جائیں گے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو پیدائشی نقائص کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔ کچھ گونگے بہرے ہوسکتے ہیں کچھ کو دیگر معذوریاں ہوسکتی ہیں۔ بچہ خود تو ان معذوریوں کے لیے ذمہ دار نہیں ہوتا۔ ایسی صورتوں میں اللہ تعالیٰ والدین کا بھی امتحان لیتا ہے کہ وہ ان حالات میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (الانفال:۲۸)

”اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں۔ اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے۔“



بت پرستی کا مقصد؟

(سوال):...... ہندو پنڈت اور دانشور یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ وید اور ہندومت کی دیگر مقدس کتب مورتی پوجا کی تعلیم نہیں دیتیں لیکن ابتدائی مراحل میں، جب ذہن پختہ نہ ہوا ہو، توجہ مرکوز کرنے کے لیے بت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب ذہن ایک بلند سطح تک پہنچ جائے تو پھر مورتی پوجا یا بت پرستی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

(جواب):...... **مسلمان بلند ذہنی سطح رکھتے ہیں**

اگر مورتی پوجا کی ضرورت صرف ابتدائی سطح پر ہوتی ہے اور بلندتر ذہنی سطح کے حصول کے بعد ارتکاز توجہ کے لیے بت کی ضرورت باقی نہیں رہتی تو پھر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مسلمان پہلے ہی سے اس بلند ذہنی سطح کے مالک ہیں کیوں کہ ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے کسی بت کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بجلی چمکنے کی مثال

ایک مرتبہ میں ایک سوامی جی سے I.R.F میں اسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔ انھوں نے ایک مثال دی کہ جب بجلی چمکنے پر بچہ پوچھے کہ یہ کیوں چمک رہی ہے تو ہم جواب دیتے ہیں کہ ”نانی ماں چکی پیس رہی ہے“۔ چوں کہ بچے کی ذہنی سطح کم ہوتی ہے لہٰذا ہم اس قسم کی مثال سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو توجہ مرکوز کرنے کے لیے بت کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ہمیں جھوٹ بولنے کی بالکل اجازت نہیں۔ میں اپنے بچے سے کبھی یہ بات نہیں کروں گا۔ اسے یہ غلط جواب نہیں دوں گا، کیوں کہ مجھے پتہ ہے کہ آگے چل کر جب وہ سکول جائے گا اور وہاں اُسے پتہ لگے گا کہ درحقیقت گرج چمک کی آواز کس وجہ سے آتی ہے تو وہ سوچے گا کہ یا تو اس کے استاد جھوٹ بول رہے ہیں اور یا میں جھوٹ بول رہا تھا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ بعض سائنسی حقائق کا سمجھنا بچے کے لیے دشوار ہوگا تو آپ کو چاہیے کہ ان حقائق کو آسان اور سہل کر کے سمجھانے کی کوشش کریں لیکن کبھی جھوٹ نہ بولیں۔ اگر آپ جواب نہیں جانتے تو پھر بھی آپ میں اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہیے کہ آپ اس کو یہ کہہ سکیں کہ ''میں نہیں جانتا''۔ اگرچہ اس جواب سے بچے کی تسلی نہیں ہوتی۔ اگر میں اپنے بچے سے کہوں کہ میں نہیں جانتا تو وہ کہتا ہے کہ ''ابا آپ کیوں نہیں جانتے؟''

اس کے بعد آپ مجبور ہو جاتے ہیں کہ جواب معلوم کریں، یوں آپ کے علم میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور آپ کے بچے کے علم میں بھی۔

بعض سوامی اس بات کو اس طرح سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ پہلی جماعت میں تو بچے کو مورتی پوجا کے ذریعے خدا تک پہنچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعد میں اونچی جماعتوں میں جا کر یہ ضرورت نہیں رہتی کہ وہ ارتکازِ توجہ کے لیے بتوں سے مدد لے۔

مگر یہاں ایک بہت بنیادی بات سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ کسی بھی مضمون میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے مبادیات کا مضبوط ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی بچہ کسی مضمون کے اصول و مبادی کو اچھی طرح سمجھ لے تو صرف اسی صورت میں وہ مستقبل میں اس مضمون میں مہارت حاصل کر سکے گا۔

مثال کے طور پر ریاضی کا استاد پہلی جماعت میں بچے کو سمجھاتا ہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ اب چاہے وہ بچہ میٹرک تک پڑھے یا گریجوایشن کرے یا پی ایچ ڈی کرلے، اس کے لیے دو جمع دو چار ہی رہیں گے، تین یا پانچ نہیں ہو جائیں گے۔ ہوسکتا ہے اعلیٰ

جماعتوں میں وہ الجبرا، ٹرگنومیٹری اور الگورتھم وغیرہ بھی سیکھ جائے لیکن بہر حال دو جمع دو چار رہیں گے۔ لیکن اگر پہلی جماعت میں ہی غلط پڑھایا جائے تو یہ توقع کیسے رکھی جاسکتی ہے کہ وہ طالب علم آگے چل کر ریاضی میں مہارت حاصل کرے گا؟

اسی طرح یہ بھی ویدوں کا بنیادی اصول ہے کہ خدا کا کوئی عکس نہیں، وہ تجسیم سے پاک ہے تو پھر ہندو مت کے علما اس غلط روش پر خاموش کیوں ہیں؟

کیا آپ اپنے پہلی جماعت کے بچے کو یہ بتائیں گے کہ دو اور دو چار نہیں بلکہ تین یا پانچ ہوتے ہیں اور درست جواب میٹرک میں جا کر دیں گے؟

اگر نہیں تو پھر مذہب میں یہ رویہ کیوں اختیار کیا جائے؟



کیا مسلمان کعبے کو پوجتے ہیں؟

(سوال):...... اگر اسلام بت پرستی کے خلاف ہے تو مسلمان کعبے کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ وہ کعبہ کی طرف سجدہ کیوں کرتے ہیں؟

(جواب):...... کعبہ قبلہ ہے!

مسلمان اپنی نماز میں کعبے کی عبادت نہیں کرتے۔ کعبہ تو ان کے لیے قبلہ ہے یعنی وہ سمت جس طرف منہ کر کے مسلمانوں کو نماز پڑھنی چاہیے۔ مسلمان نماز میں سوائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نہ کسی کے سامنے جھکتے ہیں اور نہ کسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

اسلام ہمیشہ مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق پر زور دیتا ہے۔ اب مثال کے طور پر اگر نماز ادا کرتے ہوئے بعض مسلمان شمال کی طرف رُخ کریں اور بعض جنوب کی طرف تو یہ اچھی بات نہیں، لہٰذا مسلمانوں کا اتحاد ظاہر کرنے کے لیے انھیں ایک خاص طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ اور وہ کعبے کی سمت ہے۔ لہٰذا اب صورت یہ ہے کہ اگر مسلمان کعبے کے جنوب میں رہتے ہیں تو نماز پڑھتے ہوئے ان کا رُخ شمال کی طرف ہوگا اور اگر وہ شمال میں ہیں تو جنوب کی طرف۔ اسی طرح اگر وہ کعبے کے مغرب میں ہیں تو مشرق کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں گے اور اگر مشرق میں ہیں تو مغرب کی طرف۔

کعبہ زمین کا مرکز ہے

مسلمانوں نے سب سے پہلے دنیا کا نقشہ بنایا تھا۔ اور انھوں نے یہ نقشہ اس طرح تیار

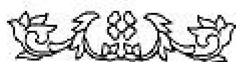
کیا تھا کہ جنوب اوپر کی طرف اور شمال کو نیچے کی طرف رکھا گیا تھا۔ اس نقشے کے مطابق کعبہ بالکل مرکز میں آتا تھا۔ بعد ازاں مغرب میں دنیا کے نقشے تیار کیے گئے۔ انھوں نے اس نقشے کو الٹا کر دیا یعنی شمال اوپر کی طرف اور جنوب کو نیچے رکھا گیا، لیکن پھر بھی کعبہ اس نقشے کے عین مرکز میں تھا۔ الحمدللہ!

طوافِ کعبہ، اقرارِ توحید

ہم مسلمان جب مسجد الحرام میں جاتے ہیں تو کعبے کا طواف کرتے ہیں یعنی کعبہ کے گرد دائرے میں چکر لگاتے ہیں اور یوں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جس طرح ہر دائرے کا ایک مرکز ہوتا ہے، اسی طرح کائنات کا ایک ہی خدا ہے، جس کی تمام انسانوں کو عبادت کرنی چاہیے۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک بار حج کے موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''(حجر اسود کے حوالے سے) کہ میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے اور اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تجھے چھوتے اور بوسہ دیتے نہ دیکھ چکا ہوتا تو نہ تجھے چھوتا اور نہ ہی بوسہ دیتا۔''

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ بیان اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ ہم مسلمان کعبہ کی عبادت نہیں کرتے۔



ضمیمہ

ہندو دھرم ......ایک مطالعہ

ڈیوڈ اے براؤن رمترجم: فہیم اختر ندوی

الف :۔ ہندوازم کیا ہے؟

(۱) ایک بڑا مذہب :...... ہندو دھرم دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک ہے۔ کم و بیش ۵۵ کروڑ افراد اس دھرم کے پیرو ہیں۔

ہندوستان کی ۸۰ فیصد سے زاید آبادی ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال اور انڈونیشیا اور بالی میں بھی ہندو دھرم کے ماننے والے بسے ہوئے ہیں۔ فجی، ملیشیا، سنگاپور، سری لنکا، ماریشس، ویسٹ انڈیز اور چند افریقی ریاستوں میں تو ہندوؤں کی اچھی خاصی تعداد بستی ہے۔ یہ لوگ ہندوستانی مہاجرین کی نسل ہیں۔

عیسائیت، بودھ دھرم اور اسلام کی طرح ہندو مذہب کبھی بھی مشنری مذہب نہیں رہا۔ گو کہ حال ہی میں ہندو مشنریوں نے کئی مغربی شہروں میں اپنے روحانی مراکز کھول لیے ہیں۔ مغرب میں بہت سے لوگ بالخصوص نوجوان ہندو طرزِ زندگی سے متاثر ہوئے ہیں، لیکن یہ کہنا قدرے مشکل ہے کہ ان کی یہ دلچسپی کتنی گہری اور دیرپا ہے، مغرب میں ہندوازم کے اثرات کا اندازہ فی الوقت لگانا دشوار ہے۔

اس کے برعکس ہندوازم کے اثرات چند مشرقی ایشیائی ممالک کے تمدن پر واضح اور نمایاں ہیں، بودھ دھرم ہندوازم کی ایک شاخ ہے اور بودھ طرزِ زندگی میں ہندو ارکان کی پیروی ہوتی ہے۔ اس لیے بودھ دھرم کے فروغ کے معنی ہندو افکار و نظریات کی ترویج و

اشاعت ہے۔

(۲) دنیا کا سب سے قدیم رو بہ عمل مذہب :...... ہندوازم، دنیا کا وہ قدیم ترین مذہب ہے جس کی پیروی آج بھی کی جاتی ہے۔ لفظ انڈین (Indian) کی طرح ''ہندو'' بھی ''انڈس'' دریا کے نام سے مشتق ہے لیکن نام کے مقابلہ میں ہندو دھرم کہیں زیادہ قدیم ہے۔ ہندوازم کو آریہ دھرم یا آریہ طرز زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دھرم ہندوازم میں ایک اہم لفظ ہے جس کا مفہوم، حق، نیکی، اخلاق، قانون، سچائی اور راست پرستی ہے۔ دراصل دھرم وہ طرز زندگی ہے جو نجات اور ''موکش'' کی موجب ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہی دھرم وسیع معنوں میں مذہب بن گیا۔

تقریباً ۳۰۰ ق م ہندوستان ایک سرسبز تہذیب کا گہوارہ تھا لیکن آریوں سے قبل ان لوگوں کے مذہبی رجحانات سے ہم بہت کم واقف ہیں۔ ہندوستان میں آریہ تقریباً ۲۰۰۰ ق م میں آئے لیکن اس وقت ان کی مذہبی خیالات کیا تھے، اس کے بارے میں ہم بہت زیادہ نہیں جانتے، عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوازم میں آریائی اور ماقبل آریائی افکار و نظریات کا امتزاج ہے۔

(۳) ایک نسلی مذہب :...... ہندوازم ایک عوامی مذہب ہے۔ ایک پوری قوم نے صدیوں اور قرنوں اسے اپنا کر قومی اور نسلی ساخت عطا کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مذہب مختلف النوع افکار و اعمال کی آماج گاہ ہے۔

ہندوازم اور دوسرے بڑے مذاہب عالم میں تین اہم فرق ہیں۔

۱: ہندوازم کا کوئی موجد نہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ہندوازم کیسے اور کب وجود میں آیا، اس کی کوئی تاریخ پیدائش نہیں۔ ہزار ہا سالوں میں اس نے بتدریج اپنے ارتقائی مراحل طے کیے۔

۲: ہندوازم میں ایسا کوئی عقیدہ نہیں جس کی پیروی سب پر لازم ہو۔ اس میں کوئی متفق علیہ اصول یا فلسفہ بھی نہیں ہے۔

۳: ہندوازم ایک غیرادارتی مذہب ہے، ہندوادارے تو یقیناً ہیں لیکن خود ہندوازم کوئی ادارہ نہیں ہے۔ اس میں اس کے معتقدین کی ایسی کوئی جماعت نہیں ہے جو کسی ایک خاص قسم کی عبادت کرے یا کسی عام ضابطہ اخلاق کے مطابق زندگی گزارے۔

(۴) مذاہب کا ایک خاندان:...... ہندوازم میں اس قدر مختلف النوع رسوم وافکار ہیں کہ اکثر اسے مذاہب کا ایک خاندان بھی کہا جاتا ہے۔ ہندو کون ہے؟ یہ سوال دراصل بہت مشکل ہے۔ کوئی شخص قواعد وضوابط کے پیچیدہ نظم پر عمل کرے یا بے لگام ہو، کوئی شخص تارکِ دنیا ہو یا پھر دنیا دار۔ کوئی شخص ایک خدا کی پرستش کرے یا پھر سیکڑوں خداؤں کی، کوئی شخص کسی انسان کو خدا مان کر، جیسا کہ ہندوستان میں بہت سے لوگ کرتے ہیں، اس کی عبادت شروع کردے یا یکسر خدا کو ہی مانے، ان میں سے ہر شخص ہندو ہے۔

ہندوازم ایک لچک دار مذہب ہے۔ یہ دوسرے افکار ونظریات کو اپنے اندر سمو لینے کی قوت رکھتا ہے اور جن کو یہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنے اندر جذب کرلیتا ہے۔ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیراعظم پنڈت نہرو نے ہندوازم کی تعریف اس طرح کی تھی:

> ''بلحاظ عقیدہ ہندوازم مبہم، غیر متشکل، پہل دار اور ہر شے برائے ہر کس ہے۔ اس کی تعریف متعین کرنا سخت دشوار ہے بلکہ مروج معنوں میں اسے دیگر ادیان کی طرح مذہب کہنا بھی مشکوک ہے۔ اس نے ماضی میں بھی اور حال میں بھی ارفع وادنیٰ اور کبھی کبھی تو متضاد رسوم وافکار کو گلے لگایا ہے۔ اس کی اصل روح ''زندہ رہو اور رہنے دو'' میں پوشیدہ ہے۔''

ب:۔ ہندوازم کی مقدس کتابیں

شروتی اور اسمرتی:...... ہندو مقدس کتابوں کی دو قسمیں ہیں:

شروتی کے لغوی معنی ''سنے ہوئے'' کے ہیں، یہ وہ سچائیاں ہیں جو قدیم زمانون کے رشیوں نے سنیں۔ چاروں وید جو قدیم صحیفے ہیں شروتی کہلاتے ہیں۔ یہ ہندو عقیدے کی اساسی کتابیں ہیں۔ یہ گویا ہندوازم کے بنیادی اور مستند سرچشمے ہیں۔

اسمرتی کے معنی ''یاد کیے ہوئے'' کے ہیں۔ یہ وہ سچائیاں ہیں جن کا اظہار رشیوں، منیوں اور عالموں نے کیا۔ اگر شروتی کو بائبل تسلیم کرلیا جائے تو اسمرتی بائبل سے مشتق تعلیمات اور روایات کہلائیں گی۔ ویدوں کے علاوہ تمام الہامی کتابوں کا شمار اسمرتی میں ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر کتابیں مسلکی نوعیت کی ہیں اور دوسرے درجہ کی اہمیت کی حامل ہیں۔ کہانیاں اور کتھائیں۔ فرود جماعت کے لیے ضابطہ اخلاق، عبادت کی رسمیں اور دینی مدارس اور فلسفیانہ اسکولوں کی روداد یں ان کتابوں کا موضوع ہیں لیکن ان میں سے چند، خاص کر دو رزمیے یا پُران، رامائن اور مہا بھارت ہندوازم کی عام وراثت کے اٹوٹ انگ ہیں۔

وید اور اپنشد:...... وید چار ہیں، رگ وید، سام وید، یجر وید اور اتھر وید۔ ان چاروں ویدوں میں درج ذیل ۴ حصے اہم ہیں:

الف: منتر...... یہ خدا کی تعریف وثنا میں حمدیہ گیت ہیں۔

ب: برہمنا...... یہ منتروں کی تشریحات ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان میں رسم قربانی کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔

ج: ارنیک (Arayakas) میں گیان دھیان کی تفصیلات ہیں۔

د: اپنشد یا پوشیدہ تعلیمات۔ رسوم وشعائر سے الگ ہٹ کر ان میں کائنات اور اس سے انسان کے رشتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اپنشدوں کی تعلیمات کو ویدانت بھی کہتے ہیں۔ انت بمعنی اختتام یعنی ویدوں کا اختتام، یہ ویدانت روحانی سچائیوں سے لبریز ہیں۔ صدیوں پر محیط ہندو ادب کا بیشتر حصہ انھی اپنشدوں کے بلند خیالات کی تشریحات ہیں۔

رامائن اور مہا بھارت:...... یہ ہندوستان کے قومی رزمیے ہیں۔ یہ وہ عوامی کتابیں ہیں جن سے ہندو عوام اخلاقیات کے درس لیتے ہیں، اپنا آئیڈیل تلاش کرتے ہیں۔

رامائن رام کی کہانی ہے، جو راکششوں کے راجہ راون کو شکست دے کر دھرتی پر حق اور سچائی کی حکمرانی قائم کرتے ہیں۔ رام اور ان کی اہلیہ سیتا آئیڈیل مرد اور عورت تصور کیے

جاتے ہیں۔ رام کو بھگوان کا اوتار مانا جاتا ہے اور ان کا نام جاپ ہندو ازم میں عام وظیفہ خیال کیا جاتا ہے۔ (اوتار کا مطلب کسی دیوتا کا انسان کا روپ اختیار کر لینا ہوتا ہے۔)

مہا بھارت ایک عظیم جنگ کی کہانی ہے، بدی کے علم بردار ۱۰۰ کورو نیکی کے علم بردار پانچ پانڈووں کے خلاف صف آرا ہوتے ہیں۔ بھگوان کے اوتار شری کرشن کی مدد سے نیکی بدی پر فتح یاب ہوتی ہے۔

یہ عظیم کتابیں محض قصہ کہانیاں ہی نہیں ہیں، ان میں وہ کردار اور واقعات بھی ہیں جو انسان کے اعلیٰ کردار کے ترجمان ہیں۔ یہ شجاعت، وفاداری، جان نثاری، حق گوئی اور ثابت قدمی کا درس دیتی ہیں، ان کتابوں نے نہ صرف کئی نسلوں کو متاثر کیا ہے، بلکہ انھوں نے ہندوستانی آرٹ اور ادب پر بھی اپنی گہری چھاپ چھوڑی ہے۔

بھگود گیتا:...... یا بھگوان کے گیت ہندو الہامی کتابوں میں سب سے بہتر تصور کی جاتی ہے۔ یہ مہا بھارت کا ایک حصہ ہے، جنگ کے موقع پر پانڈو بھائیوں میں سے ایک ارجن کے دل میں شکوک پیدا ہوتے ہیں گو کہ میں حق پر ہوں پھر بھی اپنے ہی لوگوں کے خلاف جنگ کیوں لڑی جائے؟ میدانِ جنگ میں بھگوان کرشن اسی شک کے ازالہ کی خاطر عمل انسانی کی اخلاقی اور فلسفیانہ پیچیدگیوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کتاب کا پورا متن ایک طویل مکالماتی خطاب ہے۔ یہ کتاب انسانوں کو تعلیم دیتی ہے کہ ہر شخص کو ہر حال میں انجام سے بے فکر ہو کر اپنے فرائض (دھرم) ادا کرنے چاہئیں۔ گیتا کی بنیادی تعلیم بے لوث عمل پر مرکوز ہے جو خدا سے وابستگی کا ذریعہ بھی ہے۔

''وہ خدا واحد ہی ہے جو سب کا خالق ہے اور جو سب میں سرایت کر جانے والا ہے۔ انسان کا اپنے فرائض کو پورا کرنے ہی کا دوسرا نام خدا کی عبادت ہے جس سے وہ درجہ کمال کو پہنچتا ہے۔''

گیتا کی تعلیمات کا یہی خلاصہ ہے۔ یہ عملی طور پر بہت آسان بھی ہے۔ یہ کہتی ہے اپنے فرائض پورے کیجیے۔ زندگی کے کسی بھی موقع پر، آپ کا جو بھی فرض ہے اس کو پورا کرنا

ہی خدا کی اصل عبادت ہے۔

گیتا کے بارے میں کہا جاتا ہے یہ ہندو فلسفہ کی روح ہے، اسے عام انسانوں کی اپنشد بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہ اپنشد کی مبہم اور مشکل تعلیمات کو عام فہم انداز میں پیش کرتی ہے۔

گیتا نے جدید ہندوستان میں ہندو ازم کے احیاء میں زبردست کارنامہ انجام دیا ہے۔ گاندھی جنھیں جدید ہندوستان دوسرے تمام لوگوں پر فوقیت دیتا ہے، گیتا کو ''اخلاق کی حتمی رہبر'' قرار دیتے ہیں۔ اپنی خودنوشت سوانح حیات ''دی اسٹوری آف مائی ایکسپیریمنٹس ودٹرتھ (The Story of my experiments with truth) میں وہ گیتا کو ان لفظوں میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

> ''جس طرح انگریزی الفاظ کے معنی جاننے کے لیے مجھے انگریزی لغت کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے، بالکل اسی طرح میں اپنی مشکلات کے فوری حل کے لیے اس کتاب اخلاق کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

لاکھوں ہندو روزانہ گیتا کا مطالعہ کرتے ہیں۔ لاکھوں افراد درختوں کی چھاؤں میں یا شہر کے عظیم الشان ہالوں میں گیتا پر عالمانہ تقریریں سنتے ہیں۔ ہندو کتابوں میں گیتا سب سے زیادہ پڑھی اور سنی جاتی ہے۔

ج:۔ ہندوازم کی تاریخ

صدیوں تک ہندوازم تاریخ اور وقت کے دھارے سے کٹا رہا جس کے سبب آج یہ بتانا انتہائی دشوار ہے کہ اس کی ابتدا کب ہوئی۔ گیتا کب لکھی گئی؟ کب اور کہاں ایک خاص واقعہ رونما ہوا یا کوئی تحریک چلی؟ ہم نہیں جانتے۔ ایسا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے، جس سے کسی اہم آدمی کی زندگی کے واقعات یا اہم واقعات کی تاریخ معلوم ہو سکے۔

جدید دور کے آنے تک ہندوازم کی ہندوستانی تاریخ کو حوالہ کے بغیر ہی سمجھنا ہوگا، صدیوں اور قرنوں کے ارتقائی مراحل کے مشاہدے پر قناعت کرنا ہوگا۔

ا۔ ویدوں کا دور ۶۰۰ ۔ ۲۰۰۰ ق م

یہ ہندو عقیدہ کی تشکیل کا دور تھا۔ گویا کہ یہ دورِ ابہام تھا، لیکن ہندوازم کو ایک واضح سمت ملی۔ ہمہ رنگی کے ساتھ ساتھ یک رنگی بھی جلوہ گر رہی۔

الف: ویدوں کے دیوتا اور رسوم :...... اس دور میں ادب وجود میں آیا، سب سے پہلے رگ وید میں بہت ساری حمدیں، آسمان، سورج، دھرتی، طوفان اور آگ دیوتاؤں کی نذر کی گئی ہیں۔ اس دور میں عام طور پر قدرتی طاقتوں کی پرستش کی گئی ہے۔ ان میں سے طاقت کا دیوتا ''اندر'' اور راستی کا دیوتا ''ورون'' خاص ہیں۔ دیوتاؤں کو راضی اور خوش کرنے کے لیے رسومات کی ادائیگی اور قربانیاں کی جاتی تھیں۔ ایسا خیال کیا جاتا تھا کہ کائنات کا نظم قربانیوں کی وجہ سے قائم ہے۔ ایک متن کے مطابق خود کائنات دیوتاؤں کے ذریعہ دی گئی قربانی کے نتیجہ میں وجود میں آئی تھی۔

لیکن ان چیزوں کا سمجھنا عامیوں کے بس کی بات نہ تھی، چناں چہ وہ قربانیوں کو محض رسم ہی سمجھتے رہے۔ ان کے لیے قربانی کی رسم ایک جادو تھی، وقت کے گزرنے کے ساتھ قربانی محض ایک مذہبی رسم بن کر رہ گئی، قربانی دینے والے پجاریوں کو اہمیت اور طاقت حاصل ہوتی گئی۔ اب انھیں سبھوں پر فوقیت حاصل تھی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ انھیں پوشیدہ اسرار کا علم ہے اور ان کا وجود عوام کی بہتری کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

ب: بلند ترین حقیقت کی تلاش :...... وید کے گیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کئی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے، لیکن وہ اس بڑے خدا کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے جو ان دیوتاؤں کا بھی دیوتا تھا۔ وہ ''توحید'' کے بحر ذخار کے غواص تھے۔ توحید جس کا مطلب ایک خدا کے وجود پر یقین کرنا ہے۔ اپنشدوں میں انتہائی حقیقت کی یہ تلاش اور بھی تیز ہوگئی ہے۔ اپنشدی تعلیمات میں خدا کو اکثر ''تو ہی ہے'' سے مخاطب کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی سب سے عظیم روح یا وہ طاقت جو کائنات کی خالق اور پالن ہار ہے اور انسانی روح سے مماثل ہے۔ مزید برآں کائنات سے

پرے خدائے واحد کے وجود کو بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ اپنشد کا دعویٰ ہے کہ حقیقت ایک اور صرف ایک ہے، برہمن کائنات کی عظیم ترین روح ہیں، انسانی روح دو نہیں بلکہ ایک ہیں اور ایک جیسی ہیں۔ اس فلسفہ کو ''ادویت'' کے نام سے جانتے ہیں۔ خدا کو جاننے اور اس میں ضم ہو جانے کی یہ کوشش محض چند افراد نے کی، عام لوگوں نے تو دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے قربانیاں دینے کا راستہ ہی اپنایا۔

ج: ذاتوں کی تقسیم:..... ہر ملک میں لوگ دولت، پیشے اور خاندان کی بنیاد پر تقسیم ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں ذات کی بنیاد پر لوگوں کی تقسیم عمل میں آئی۔ اس تقسیم نے ہر سماجی گروہ کی حیثیت سماج میں متعین کردی۔ اس نظام نے کسی ذات کا دوسری ذاتوں سے کس طرح کا تعلق اور رویہ ہو، اور چھوٹی ذاتیں بڑی ذاتوں کو کس طرح نذر گزاریں یا ان کی خدمت کس طرح کریں، تفصیلات بیان کیں۔ ذات پات کا نظام ویدک دور میں پھلا پھولا۔ رگ وید میں اس نظام کی بنیاد کی بابت ایک دیو مالائی قصہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

''برہمن یا پجاری طبقہ'' کائنات کے خالق برہما کے منہ سے پیدا ہوا۔ چھتری یا حکومت کرنے والا طبقہ برہما کے بازو سے پیدا ہوا۔ ویش یعنی تاجروں کے طبقہ نے برہما کی جانگھ سے جنم لیا اور شودر یعنی محنت کشوں نے برہما کے پیروں سے جنم لیا۔

ابتدا میں شاید کسی شخص کی ذات کا تعین اس کے پیشے کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ اسے یہ اختیار ہوتا تھا کہ وہ اپنا پیشہ تبدیل کر کے اپنی ذات تبدیل کر لے لیکن رفتہ رفتہ ذات ایک موروثی شے بن گئی اور کسی شخص کی ذات اور اس کا پیشہ، اس کے والدین کی ذات سے منسوب ہو گیا۔ اس فکر نے سماج کو ایک جامد نظام دیا، بلکہ قوت کو چند ہاتھوں میں مرکوز کر کے عوام الناس کے استحصال کے دروازے کھول دیے۔ شروع میں ذات پات کے نظام نے سماج کے استقرار میں عملی رول ادا کیا، لیکن اس کی خوبیوں کو اس کی برائیوں نے ڈھانپ لیا۔ اس نظام نے تمام سماجی تعلقات کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی اور فرد کی آزادی یکسر

خواب وخیال ہو کر رہ گئی۔ ایک ذات سے پھر صدہا ذاتوں نے جنم لیا اور ہر ایک کے اپنے اپنے پیچیدہ قواعد وضوابط بنے۔ ذات پات کے نظام میں ''اچھوت'' بھی تھے جن کا سایہ بھی ناپاک کر دینے والا تصور کیا گیا۔

د: عمل کا قانون (کرم):...... قانون ''عمل'' ذات پات کے نظام سے متعلق ہے اور ہندو عقیدہ کا مرکزی خیال ہے۔ عملی زندگی میں جو مقام ذات پات کے نظام کو حاصل ہے وہی مقام روحانی زندگی میں ''عمل یا کرم'' کو حاصل ہے۔

قدیم ہندو تعلیمات کے مطابق انسانی زندگی کا مقصد انتہائی اور ابدی حقیقت میں ضم ہو جانا ہے۔ یہ مقصد ایک زندگی میں حاصل نہیں ہو سکتا، اسی لیے ہر روح کو کئی زندگیاں گزارنی پڑتی ہیں۔ روح نہ پیدا ہوتی ہے اور نہ اسے موت آسکتی ہے۔ جس طرح زندگی کے بعد موت یقینی ہے اسی طرح موت کے بعد دوبارہ زندگی یقینی ہے۔ یہ عمل جاری رہتا ہے، تاوقتیکہ روح انتہائی پاک وصاف ہو کر کائنات کی روح میں ضم ہو جاتی ہے اور اپنے منتہائے مقصود کو حاصل کر لیتی ہے۔ اس عمل کو ''سمسرا''، ''بمعنی کسی شے سے گزرنا'' کہتے ہیں۔ پیدائش اور دوبارہ پیدائش کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ روح اس عمل سے مکمل طور پر آزاد نہیں ہو جاتی۔ یہ آزادی نجات یا موکش کہلاتی ہے۔ یہ جہاں اسباب سے نجات ہے اور بار بار پیدائش سے موکش ہے۔ اس نجات کا مطلب عظیم ترین خدا میں ضم ہو جانا ہے۔ ہندو عقیدہ میں کسی روح کی یہ افضل ترین کامیابی ہے۔ نجات خدا میں زندگی کا حصول ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں قانون ''عمل'' سامنے آتا ہے۔ اس قانون کے مطابق آج جو آدمی ہے، وہ کل کیا تھا کا نتیجہ ہے۔ اور وہ آنے والے کل کو کیا ہوگا، اس کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ آج کس طرح زندگی گزار رہا ہے۔ ہر عمل یا واقعہ دوسرے عمل یا واقعہ کو جنم دیتا ہے۔ یہی ''قانون''، ''عمل'' ہے۔ یہ ایک بے لاگ قانون ہے اور کسی فیصلہ کا محتاج نہیں ہے۔ اس میں نہ ہی جزا ہے اور نہ ہی سزا۔ قانون ''عمل'' موجودہ زندگی اور سابقہ زندگی اور

آنے والی زندگی کے درمیان ایک کڑی ہے۔

۲۔ردّعمل کا دور ۲۰۰۔۶۰۰ ق م

۶۰۰ ق۔م میں ہندوازم کے ردّعمل میں دو تحریکیں ''جین مت'' اور ''بدھ مت'' نمودار ہوئیں۔ان کے بانیوں کا مقصد یہ تھا کہ برہمنوں کی مذہبی اجارہ داری کو ختم کر کے عوام کو مذہبی رسوم اور قربانیوں سے نجات دلائی جاسکے۔انھوں نے تعلیم دی کہ انسان کا منتہائے مقصود خدا میں ضم ہونا نہیں بلکہ خود کو جاننا، پہچاننا اور پانا ہے۔انھوں نے کہا انسان اپنے اس مقصد کو خود پر قابو پا کر حاصل کرسکتا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ دونوں متوں کے بانی بدھ اور مہاویر بنیادی طور پر ہندو تھے، بدھ کی تعلیمات میں کہیں کہیں اپنشدوں کی تعلیمات دکھائی پڑتی ہیں۔

اس زمانے میں ویدک دقیانوسیت کے خلاف بدھ مت اور جین مت کے علاوہ متعدد تحریکیں ابھریں لیکن جلد ہی ختم ہوگئیں۔ بدھ مت کو ایک مختصری مدت کے لیے عروج حاصل ہوا، لیکن ہندوستان میں اس کی مقبولیت گھٹتی گئی۔ شہنشاہ اشوک کے دور میں اسے کمال کا عروج حاصل ہوا، لیکن اس دور میں بھی یہ ہندو عقیدہ کو پامال نہ کرسکا۔ ہندوازم کے چند بنیادی افکار ونظریات کو چیلنج کیا گیا اور بعض مذہبی شعائر کو ہدفِ ملامت بھی بنایا گیا، لیکن ہندوازم کی اساس متزلزل نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ ہندوؤں نے بدھ کو بھی اپنا ایک دیوتا تسلیم کرکے اس کی پرستش شروع کردی۔

نئی تحریکوں نے ہندوازم پر بہر حال اپنی چھاپ ڈالی۔اب اخلاقیات اور صالح اعمال پر زور دیا جانے لگا۔قربانیوں کے خلاف ردّعمل سے جانوروں کی زندگی کا احترام اجاگر ہونے لگا۔ بودھ رہبانیت مقبول ہونے لگی۔

مورتی پوجا اسی دور کی پیداوار ہے۔اپنے اپنے نجی دیوتاؤں کا تصور عام ہوا۔ پرانی روایتیں قائم رہیں لیکن نئے عناصر بھی درآئے۔

۳۔ رزمیوں اور پُرانوں کا دور ۲۰۰ ق۔م سے ۱۰۰۰ ق م

الف: عظیم رزمیے:...... احتجاج اور ردِّ عمل کے دور کے بعد احیا کا دور آیا۔ رامائن اور مہا بھارت جنھوں نے ہندو ازم کی ترویج میں اہم رول ادا کیا، اسی دور کے ابتدائی حصہ سے منسوب ہیں۔

یہ تحریریں جب عوام تک پہنچیں تو انھوں نے لوگوں کے دلوں میں گھر کرلیا۔ اپنشدوں میں خدا کا تصور کسی بھی صفت سے پاک تھا۔ وہ سب کچھ تھا اور کچھ بھی نہ تھا۔ اسے صرف یہ کہہ کر بیان کیا جا سکتا تھا کہ وہ یہ نہیں ہے۔ رام اور کرشنا کی صورتوں میں وہی خدا جو غیر مرئی تھا جان دار ہو جاتا ہے۔

ب: اوتار کا فلسفہ:...... بھگود گیتا میں کرشن اپنے کو قادر کل کہتا ہے۔ وہ سورج کی روشنی میں، آگ کی چمک میں، تمام چیزوں میں زندگی کی رمق اور تارکین دنیا کا کفارہ ہے۔ قربانی میں وہ خود ہی نذر، خود ہی آگ اور خود ہی قربانی گزارنے والا ہے۔

میدان کارزار میں کرشن ارجن سے کہتا ہے:

> ''میں خالقِ کل ہوں اور پیدا نہیں ہوا ہوں۔ اس کے باوجود میں اپنی پُر اسرار قوت کے ذریعہ قدرت میں ہویدا ہوں ...... میں ہر زمانے میں اوتار کی صورت میں جنم لیتا ہوں تاکہ نیکو کاروں کی حفاظت کروں، بدکاروں کو برباد کروں اور دھرم کی حکومت کا از سر نو قیام کرسکوں۔''

یہی اوتار کا فلسفہ ہے۔ اوتار کے معنی اترنے کے ہیں، خاص طور پر خدا کا آسمانوں سے اترنا، خدا کی تجسیم کو اوتار کہتے ہیں لیکن یہاں اوتار حضرت یسوع مسیح کی تجسیم سے قدرے مختلف ہے۔ ہندو ازم میں ۹ اوتار جنم لے چکے ہیں اور دسویں اوتار کو ہنوز جنم لینا ہے۔

ج: بھکتی مسلک:...... اوتار کے فلسفہ کی مقبولیت نے ایک نیا باب روشن کیا۔ لوگوں نے خدا کو مجسم دیکھنا شروع کردیا اور انھوں نے خدا کے تین کاموں کے لیے الگ الگ

اوتار بنالیے۔ برہما خالق تھا تو وشنو حفاظت کرنے والا اور شیو ہلاک کر دینے والا تھا۔ تینوں مل کر تری مورتی کہلائے، ان اوتاروں نے لوگوں کے قلب و ذہن کو مسخر کر لیا اور عوام کے گھر گھر میں انھوں نے جگہ پالی۔ لوگوں نے ان سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا جس نے بعد میں بھکتی کا روپ لے لیا۔ بھکتی ایک خوبصورت لفظ ہے۔ جس کے معنی صرف عقیدت ہی نہیں۔ یہ والہانہ عقیدت ہے۔ خدا کی یاد میں محو رہنا اور اسے پالینے کی چاہت کو بھکتی کا نام دیا گیا۔ ہندوازم میں بھکتی کی روایت بہت مالا مال ہے۔ شنکرا جیسے فلسفیوں نے اسے حقارت سے دیکھا، لیکن بھکتی کی جیوتی صدیوں تک عوام کے لیے مشعلِ راہ بنی رہی۔

د: **پُران:** ...... مذہبی نظموں نے جو پُران کے نام سے جانی جاتی ہیں، بھکتی تحریک کو مہمیز کیا، ان نظموں میں دیوتاؤں کے اعمال، عظیم شخصیتوں کے کارنامے اور رشیوں منیوں کے کمالات بیان کیے گئے ہیں۔ اہم پُرانوں کی تعداد اٹھارہ ہے لیکن چند غیر اہم پُران بھی ملتے ہیں، کچھ پُرانوں میں وشنو کا، کچھ میں برہما کا اور باقی میں شیو کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر دیوتا کے الگ الگ معتقدین بھی رہے ہیں۔ مثال کے طور پر وشنو کے پجاریوں کو ویشنو اور شیو کے پجاریوں کو شیو بھگت کہتے ہیں۔

اس دور کے اختتام پر بھگوت پُران لکھی گئی۔ بھکتی ادب میں اس کا منفرد مقام ہے۔ یہ وشنو کے تمام اوتاروں سے متعلق کہانیوں اور کتھاؤں کا مجموعہ ہے۔ عام ہندوؤں کے بیشتر مذہبی عقاید اسی پُران سے لیے گئے ہیں۔ یہ نجات کے لیے بھکتی طریقِ زندگی پر زور دیتی ہے۔ اس پران نے لاتعداد نظموں، کتھاؤں اور تصویروں کو جنم دیا۔ متذکرہ بالا تین اہم دیوتاؤں کے علاوہ شکتی (قوت) کو بھی دیوی کی طرح پوجا گیا۔ شکتی دیوی کی پرستش کو بڑھاوا دینے میں تانترک ادب نے بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔

ھ: **فلسفہ:** ...... ہندو فلسفہ کے نو اسکولوں کی تشکیل اسی دور میں ہوئی، ان کو درشن اس لیے کہا جاتا ہے، کیوں کہ اس کے ذریعہ دنیا کو دیکھا جا سکتا ہے۔ چھ دقیانوسی نظام ہیں

اور باقی کے تین میں جین مت اور بدھ مت بھی شامل ہیں۔ ان میں چند کی اساس ویدوں کی تحریریں ہیں، لیکن درشن کے دوسرے اسکول آزاد فکر بھی رکھتے ہیں اور علم کے متعدد میدانوں کے شہ سوار ہیں۔

۴۔ بھکتی کا دور ۱۰۰۰ سے ۵۰۷ اق م

یہ موضوع مبہم ہے۔ طویل دور بھکتی دور اس لیے کہلاتا ہے کہ اس میں عام لوگوں نے نجات کے لیے والہانہ بھکتی کا راستہ اختیار کیا۔

الف: عام ہندو دھرم :...... عام ہندو کسی نہ کسی مسلک سے منسلک تھے۔ وہ اپنے پسندیدہ دیوتاؤں کی پرستش ملک کے طول وعرض میں پھیلے متعدد مندروں میں کرتے تھے۔ وہ تیرتھ یاتروں کے لیے بھی نکلا کرتے تھے۔ وہ ذات پات کے نظام کو مانتے تھے، جو اب مزید پیچیدہ اور ناگزیر ہوگیا تھا، کبھی کبھی وہ اپنے پسندیدہ دیوتا کی مورتی اپنے گھروں میں بھی رکھتے تھے، وہ جانوروں کا احترام کرتے اور گائے کو مقدس مانتے تھے، اس دور میں لاتعداد دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی، لیکن وشنو شیو اور شکتی کو اب بھی اہم دیوتاؤں کی حیثیت حاصل تھی۔ عام لوگوں کا مذہب گھریلو تھا اور مذہب نے ان کی زندگی کے ہر شعبہ کا احاطہ کرلیا تھا۔

ب: بھکتی کا فروغ:...... ملک کے شمالی حصہ میں بھکتی تحریک کو عروج حاصل تھا۔ شاعروں اور گویوں کے گروہ بھگوان کے والہانہ گیت گاتے رہتے تھے۔ اب بھکتی تحریک کو فلسفیوں کا تعاون بھی ملنے لگا تھا۔ وشنو اوتار رام اور کرشن اور شیو اور شکتی کی بھکتی کی جانے لگی، بعد میں کبیر، تلسی داس اور تکارام جیسے صوفی سنتوں نے بھکتی تحریک کو چار چاند لگادیے۔ ان سبھوں میں ذاتی نوعیت کی بھکتی جھلکتی ہے اور بھکتی کو ہی راستہ تسلیم کیا گیا ہے۔

ج: رامانج :...... رامانج کا زمانہ بارھویں صدی کے اوائل کا ہے۔ انھوں نے بھکتی تحریک کو فلسفیانہ اساس فراہم کی، انھوں نے سادہ عقیدہ اور مکمل عبودیت پر زور دیا، ان

کے بقول، بھگوان دنیا اور ذی روح سب حقیقتیں ہیں۔ دنیا اور روح بشر کا انحصار بھگوان پر ہے۔ خدا کے وجود سے پرے، ان کا کوئی وجود نہیں۔ درحقیقت یہ خدا کا جسم ہیں۔ انسان کا خدا پر مکمل اعتماد ہی نجات کا ضامن ہے۔

د: **اسلام کے اثرات** :...... اس دور میں گو کہ ہندوستان پر مسلمان حکمرانی کر رہے تھے، لیکن ہندو عقیدہ پر اسلام کے بہت گہرے اثرات نہ تھے۔ اسلام نہ تو ذات پات کے نظام کو کمزور کر پایا اور نہ ہی مورتی پوجا ہی ختم ہو سکی۔ مسلم شہنشاہ اکبر نے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی، جس میں ہندو عقیدہ کی بھی جھلک تھی لیکن یہ تجربہ کامیاب نہ ہو سکا۔ بنکر کوی کبیر نے اپنے ذاتی تجربہ کہ خدا انسانوں کے دلوں میں رہتا ہے کی بنیاد پر ایک آفاقی مذہب کی تبلیغ کی۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے ہی ان کی لاش پر اپنا دعویٰ کیا کیوں کہ ہندو انھیں اپنے رواج کے مطابق جلانا چاہتے تھے، جب کہ مسلمان انھیں دفنانا چاہتے تھے۔

جب ہندوؤں نے اپنے درمیان ایک بالکل مختلف مذہب دیکھا تو وہ اپنے مذہب کے تئیں کچھ زیادہ حساس ہونے لگے۔ اب وہ اپنے صدیوں پرانے مذہب اور کلچر پر فخر کرنے لگے، اپنی پوری تاریخ میں انھوں نے اپنے عقیدہ کی خاطر پہلی بار لڑنا سیکھا، ہندو ازم کبھی بھی دوسروں کو ان کے عقیدہ سے پھیرنے والا مذہب نہیں رہا ہے، لیکن اب ہندوؤں نے مشنریوں کا مقابلہ کرنا بھی سیکھ لیا تھا۔ مسلم دورِ حکومت کے خاتمہ پر ہندو اپنے مذہب کے تئیں اس دور سے کہیں زیادہ حساس تھا، جب ہندو ازم نے آنکھیں کھولیں۔

س: **سکھ مت** :...... اس دور میں سکھ مت ایک نئے مذہب کی صورت میں ابھرا، اس کے بانی نانک ایک سیدھے سادے اور نیک آدمی تھے، وہ لوگوں سے اتھاہ محبت کرتے تھے، ان کا مقصد یہ تھا کہ ہندو مسلم اتحاد پیدا ہو، ایک ایسا طریق زندگی اور ایسا عقیدہ اُبھر کر سامنے آئے جس سے محبت کو فروغ حاصل ہو لیکن اصلاح کی یہ تحریک رفتہ رفتہ ایک نئے مذہب میں ڈھل گئی۔

۵۔ دورِ جدید ۱۷۵۰ ق م کے بعد

دورِ جدید مغرب اور عیسائیت کے اثرات اور اصلاحی تحریکوں کے عروج کا دور ہے۔ ایسی تحریکیں بڑی حد تک مغربی تعلیم کا نتیجہ ہیں، اس دور میں ہندوستانی قوم پرستی نے سر ابھارا اور اسی کے ساتھ ساتھ ہندو طرزِ زندگی کو جلا ملی۔ جدید دور صرف اصلاح کا ہی نہیں، نشاۃِ ثانیہ کا دور بھی ہے۔

الف: اصلاحی تحریکیں :...... تین بڑی اصلاحی تحریکیں ابھریں جن میں پہلی تحریک برہمو سماج تھی جس کے بانی راجہ رام موہن رائے تھے۔ سماج نے سماجی اور مذہبی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ یہ تحریک ہندوازم کو منزّہ کرنے کی تحریک تھی۔ اس نے سماجی برائیوں مثلاً کمسنوں کی شادی اور مذہبی شعائر مثلاً مورتی پوجا کی مخالفت کی۔ اس تحریک نے عورتوں کی تعلیم اور بیواؤں کی دوبارہ شادی پر زور دیا۔ یہ خالص توحید پرست تحریک تھی، جس نے اوتار کے عقیدہ کی تعلیم نہیں دی۔ اس نے ذات پات کے نظام کو ہدفِ ملامت بنایا۔ سماج پر عیسائی تعلیمات کی گہری چھاپ دکھائی پڑتی ہے، اس کے بعد کے لیڈروں میں سے ایک کیشب چندر سین حضرت یسوع مسیحؑ سے بے حد متاثر تھے، وہ چاہتے تھے کہ عیسائیت اور ہندوازم کے درمیان دوری ختم ہو۔

دوسری تحریک آریہ سماج اصلاحی تحریک سے کہیں زیادہ تحریکِ احیا تھی۔ اس کے سب سے بڑے رہنما سوامی دیانند سرسوتی ایک متشدّد ہندو تھے، اس تحریک نے ہندوازم کو چیلنج کیا، تاکہ اپنے مالا مال گم گشتہ ورثہ کو تلاش کیا جا سکے۔ یہ تحریک اسلام اور عیسائیت کی مخالف تھی۔ اس نے مذہبی قوم پرستی کو بڑھاوا دیا اور ہندوؤں کو تعلیم دی کہ وہ اپنے عقیدہ پر سختی سے کاربند ہوں۔

تیسری تحریک رام کرشنا مشن ہے جو شری رام کرشن پرم ہنس کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ رام کرشن ایک سیدھے سادے غیر تعلیم یافتہ برہمن تھے، جن میں خدا کو پانے کی تڑپ تھی۔ وہ ایک مندر کے پجاری تھے۔ وہ خود پر مکمل کنٹرول کر کے خدا کی زبردست تلاش میں

سرگرداں ہوگئے۔ انھوں نے دیوی ماتا کا دھیان کیا، یہاں تک کہ ایک دن ان کے سامنے وہ سراپا ظاہر ہوئیں، بعد میں انھوں نے اور دیوتاؤں کا جلوہ بھی دیکھا۔ انھوں نے حضرت مسیح کو بھی دیکھا، تمام مذاہب کا اتحاد رام کرشن کے لیے ایک ذاتی تجربہ بن گیا۔

انھوں نے کہا:

”میں نے تمام مذاہب ہندوازم، اسلام اور عیسائیت کی پیروی کی، میں نے مختلف مسلکوں کی بھی پیروی کی، میں نے پایا کہ تمام لوگ ایک ہی خدا کی جانب بڑھ رہے ہیں، گوکہ راستے الگ الگ ہیں۔ جہاں بھی دیکھتا ہوں لوگوں کو مذہب کے نام پر جھگڑتے دیکھتا ہوں...... لیکن وہ اس پر کبھی غور نہیں کرتے کہ جو کرشن ہے وہی شیو ہے اور وہی قدیمی توانائی عیسیٰ اور اللہ ہے...... وہی رام ہزاروں ناموں کے ساتھ۔“

(ٹی۔ ایم۔ پی۔ مہادیون، آوٹ لائنز آف ہندوازم، صفحہ ۲۲۱)

رام کرشن کے گرد بہت سے معتقد نوجوان جمع ہوگئے، جنھوں نے انھیں گروتسلیم کیا، رام کرشن نے خود سے کوئی کتاب نہیں لکھی اور نہ ہی کوئی رسمی بیان دیا۔ ان کی تعلیمات کو ان کے مریدوں نے سپردِ قلم کیا۔ انھوں نے کہا کہ زندگی کا اوّلین مقصد خدا کو پانا ہے۔ یہ مقصد تمام مذاہب میں مشترک ہے جس کا حصول بھکتی کے ذریعہ ممکن ہے، ہم کو اس خدا سے محبت کرنی چاہیے جس کے ہم متلاشی ہیں۔

رام کرشن ایک بزرگ آدمی تھے، وہ دنیا کی اہم باطنی اور تصوف کی تحریکوں سے متاثر تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ جس مسلک کے پیرو تھے، وہ ایک عملی مسلک تھا۔ ایسا مسلک جو نہ صرف رسوم کی قید سے آزاد تھا، بلکہ جس نے روایتی تعلیم پر بھی زور دینا مناسب سمجھا۔

رام کرشن کی تعلیمات کو عام کرنے میں ان کے ایک مرید وویکانند کا بہت بڑا ہاتھ ہے وویکانند ابھی یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہی تھے کہ ان کی ملاقات رام کرشن سے ہوئی، اس ملاقات نے ان کی زندگی کا دھارا ہی بدل دیا۔ انھوں نے اپنے گرو کی تعلیمات کو عام کرنے

کے لیے رام کرشن مشن کی بنیاد ڈالی، جسے آج ہندو مذہب کے مشنری بازو کی حیثیت حاصل ہے، یہ مشن رفاہی کاموں میں بھی حصہ لیتا ہے۔ ہندوستان میں یہ ایک بڑی تعداد میں تعلیمی، طبی اور رفاہی ادارے چلاتا ہے، بہت سے مغربی شہروں میں بھی اس کے مراکز قائم ہو چکے ہیں۔ اندرون و بیرون ملک اس نے ہندوازم کی تبلیغ و اشاعت میں زبردست رول ادا کیا ہے۔

ب: ٹیگور:...... ہندو عقیدہ کے احیا میں شاعر رابندر ناتھ ٹیگور نے بھی ایک فیصلہ کن رول ادا کیا ہے، ان کی نظموں اور گیتوں کا محور خدا اور انسان ہوتا ہے، ان کی شاعری میں ہندوستانی عوام کی بلند حوصلگی جھلکتی ہے۔ وہ ہندوستانی قوم پرستی اور ہندو احیا پرستی دونوں کے ہی ترجمان ہیں، ان کی نظموں میں بھکتی گہرائی و گیرائی کروٹیں لیتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"گردشِ شب و روز جاری ہے، لیکن جو میرے دل کی دھڑکن ہے جو مختلف ناموں اور روپوں میں جلوہ گر ہوتا ہے جو میرے لیے خوشی اور رنج کے لمحات لاتا ہے۔ اس کی ایک جھلک کو مدتوں ترستا ہوں۔"

(ٹیگور گیتا نجلی، ص ۲۷)

"وہ کہتے ہیں کہ مندروں اور مقدس مقامات پر خدا نہیں ملتا۔"

"وہ وہاں ہے جہاں کسان سخت زمین پر ہل چلا رہا ہے، وہ وہاں ہے جہاں سڑک بنانے کے لیے کوئی محنت کش پتھر توڑ رہا ہے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہر وقت موجود ہے۔ دھوپ میں بھی اور بارش میں بھی اور اس کے کپڑے گرد آلود ہیں۔

خدا کو ترکِ دنیا کر کے نہیں بلکہ اس کو قبول کر کے پایا جا سکتا ہے کیوں کہ خدا نے تخلیق کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے، اسی لیے وہ ہمیشہ اپنی مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے۔"

ایک ہندو عقیدہ یہ بھی ہے کہ انسان ہی خدا ہے، ٹیگور اسی خدا کی بندگی کرتے ہیں، جو انسان ہے اور جس کا مذہب انسانوں کا مذہب ہے۔ ان نظریہ نے کہ انسان ہی دھرتی کی تقدیر ہے، ہندوستان کی جنگ آزادی میں میں ایک مثبت رول ادا کیا۔

ج: گاندھی:...... آج کے دور میں مہاتما گاندھی کی حیات اور کارنامے ہندوازم کی سب سے اچھی مثالیں ہیں۔ گاندھی کو لوگ عموماً اس حیثیت سے جانتے ہیں کہ انھوں نے اہنسا اور عدم تشدد کے بل پر ہندوستان کی کامیاب جنگِ آزادی لڑی۔ وہ ایک عملی آدمی تھے لیکن ان کا عمل ان کے عقیدہ کی دین تھا۔ گاندھی فطری طور پر ایک مذہبی آدمی تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مذہب پر یقین کامل ہی کے سبب انھوں نے سیاست میں حصہ لیا اور ان کا مذہب ہندوازم تھا۔ گاندھی جی حضرت مسیح کی تعلیمات بالخصوص پہاڑی کے وعظ سے بھی بہت متاثر تھے۔ تصلیب کے واقعہ نے انھیں ہمیشہ بیدار رکھا، اس سب کے باوجود وہ ایک راسخ العقیدہ ہندو تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"میرا مذہب ہندوازم ہے جو میرے نزدیک انسانیت کا مذہب ہے اور جس میں جملہ مذاہب عالم کی بہترین چیزیں یکجا ہیں۔"

"سچائی میرا بھگوان ہے اور عدم تشدد اس کو پانے کا راستہ۔" گاندھی جی اکثر کہا کرتے تھے۔ گاندھی کا بھگوان کوئی مرئی شے نہ تھا بلکہ ایک اصول تھا، اس کے باوجود گاندھی مورتی پوجا کرنے والوں سے کبھی نہیں جھگڑے۔ وہ لکھتے ہیں:

"بھگوان وہ ہے جسے ہم محسوس تو کرتے ہیں لیکن جانتے نہیں۔ میرے نزدیک بھگوان محبت اور پیار ہے، بھگوان اخلاق اور انسانیت ہے، بھگوان بے خوفی ہے، وہ تمام زندگی اور روشنی کا منبع ہے۔ اور بایں ہمہ وہ ان سب پر فائق ہے، بھگوان ضمیر ہے یہاں تک کہ وہ دہریے کی خدا ناشناسی ہے، وہ کلام اور اسباب میں موجود ہے، جو لوگ اس کے طبیعیاتی وجود کے قائل ہیں، ان کے لیے وہ ذاتی بھگوان ہے، جو لوگ اسے چھونا چاہتے ہیں، ان کے لیے وہ مرئی ہے۔ وہ

اصل جوہر ہے، وہ ان کا ہے جو اس پر یقین رکھتے ہیں، وہ ہر شخص کے لیے ہر شے ہے۔''

یہ ایک عجیب وغریب ہندو نظریہ ہے۔ ہندوازم بے سروپا مذہب کبھی نہیں رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوازم وحدتِ ادیان کا قائل ہے۔ دوسرے ہندوؤں کی طرح گاندھی بھی ہر دین راست رو ہے'' پر یقین رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انھوں نے مذاہب کے درمیان کبھی بھی مسابقہ نہیں چاہا اور نہ ہی انھیں تبدیلیٔ مذہب پر یقین تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اپنانا دانش مندی نہیں ہے اور یہ فعل سماجی زندگی کے امن کو نقصان پہنچاتا ہے۔ گاندھی کے بہت سے عیسائی دوست تھے، لیکن انھوں نے تبلیغِ مذہب اور تبدیلی مذہب کو کبھی نہیں سراہا، گاندھی اپنے دور میں بجا طور پر ہندوازم کی تمثیل کہے جانے کے لائق ہیں۔ وہ ہندو احیا پرستی اور اس کے فیضان دونوں کا ہی جیتا جاگتا نمونہ تھے۔

د: رادھا کرشنن، اور ویندو:...... ڈاکٹر رادھا کرشنن اور شری اور ویندو دورِ حاضر کے دو اہم ہندو شارح اور مبلغ ہیں۔ رادھا کرشنن کا جو ہندوستان کے صدر جمہوریہ بھی رہ چکے ہیں، خیال تھا کہ مذاہب کے آپسی تصادم کا حل ہندوازم کے پاس ہے، وہ نہ صرف ایک عقیدہ کے لیے بلکہ خدا کے عالم گیر عرفان کے لیے بھی حل فراہم کرتا ہے، شری اور ویندو تحریر فرماتے ہیں:

> ''ہندو مذہب وہ عالمی مذہب ہے جو مادیت پر سائنسی مشاہدات اور تجربات اور فلسفیانہ قیاس کے ذریعہ فتح یاب ہوسکتا ہے...... جو ان تمام ممکنہ ذریعوں کو بروئے کار لاتا ہے، جن سے خدا تک پہنچنا ممکن ہوسکے...... وہ جو ہم کو موت کی حقیقت سے یکسر دور کرکے لافانی بناتا ہے۔''

ھ: ہندو عقاید:...... ہندوازم کے ارتقا کے بیان میں ہم چند اہم تعلیمات پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ اب ہم اس کے چند غیر معمولی نظریات کی تفصیل بیان کریں گے۔

زندگی کے چار ہدف:

ہندو ازم کے مطابق زندگی کے چار ہدف ہیں۔ دھرم، ارتھ، کام اور موکش۔ موخر الذکر کا مطلب گوشت پوست کے جسم اور فانی زندگی سے نجات ہے۔ نجات کے متلاشی کو موجودہ زندگی میں سماج اور خاندان کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہوتا ہے اور یہی ارتھ کا مقصد ہے۔ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے دوران اسے نفسانی خواہشات کی تکمیل بھی کرنی ہے اور یہی کام کا منشا ہے۔ ذمہ داریاں کیسی بھی ہوں، طالب نجات کے لیے ہر حال میں دھرم (راستی) کا پالن ضروری ہے۔

زندگی کے چار ادوار:

روایتی ہندو ازم زندگی کو چار ادوار میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلا دور طالب علمی کا ہے۔ طالب علم مجرد ہوتا ہے اور گرو آشرم میں اپنے گرو کے زیر نگرانی مقدس کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہ ایک اہم دور ہوتا ہے۔ حصولِ علم سے فراغت کے بعد وہ خانگی اور معاشرتی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ وہ اولادیں پیدا کر کے اپنے اسلاف کا قرض اتارتا ہے، وہ جفاکشی اور مروّت کے جوہر کو پروان چڑھاتا ہے اور پورے سماج کی فلاح کے لیے اپنے کو وقف کرتا ہے۔ تیسرے دور میں وہ زندگی سے کنارہ کش ہو کر اپنی اہلیہ کے ساتھ جنگل میں زندگی گزارتا ہے۔ ان مرحلوں سے گزر کر آخری دور میں اسے ایک نیکوکار کی حیثیت سے موکش مل جاتا ہے۔ اس دور میں وہ دنیا اور اس کی لذتوں سے اپنا ناطہ پوری طرح توڑ لیتا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جہاں ہر شخص پر پہلے تین دور واجب ہیں، وہیں چوتھے دور کا انحصار منشا پر ہے۔ جو چاہے تارکِ دنیا ہو اور جو نہ چاہے سو نہ ہو۔

تین راستے:

ہندو ازم کی تاریخ، انسان کی تلاشِ حق کی تاریخ ہے۔ یہ حق و معرفت کے حصول اور چاہت کی داستان ہے۔ ایک ہندو کے نزدیک خدا اصل حقیقت اور سچائی ہے۔ اپنشدوں میں ایک دعا مذکور ہے۔

مجاز سے حقیقت کی جانب میری رہ نمائی کر
تاریکی سے نور کی جانب میری رہ نمائی کر
فنا سے بقا کی جانب میری رہ نمائی کر

ہندوازم کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ انسان کی تلاشِ حق، تلاشِ روشنی اور تلاش بقا کا مدعی ہے، اس مقصد کی تکمیل کے لیے ہندوازم تین راستوں کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ تین راستے یوگا بھی کہلاتے ہیں۔ یوگا کے معنی طوق کے ہوتے ہیں، یوگا سے مراد خدا کے حضور اپنی گردن میں غلامی کا طوق ڈالنا ہے، اس کا مطلب مکمل ذہنی، فکری اور بدنی تربیت ہے۔

۱: پہلا راستہ عملِ صالح ہے۔ خدا کے عرفان کے لیے بے لوث خدمت ضروری ہے۔ ہر شخص کے ذمہ چند فرائض (دھرم) ہیں۔ اپنے فرائض کو پورا کرنا ہی عملِ صالح ہے۔ بھگود گیتا میں کرشن، ارجن سے کہتے ہیں:

”تمہارا کام عمل کرنا ہے۔ تمھیں ثمر کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ پس کبھی بھی پھل کی خاطر کام نہ کرو اور نہ کام چھوڑو۔“

احیا شدہ ہندوازم بجا طور پر ایسے ہی عمل پر زور دیتا ہے، ایک زمانے تک ہندوازم کو جہاں دیگر مذہب تسلیم کیا جاتا تھا۔ تارکِ دنیا سادھو کو ہی آیڈیل سمجھا تا تھا۔ لیکن آج عمل پر زور ہے نہ کہ ترکِ عمل پر۔ زندگی میں عملِ صالح کے لیے آج گاندھی جی کی شخصیت اور رام کرشن مشن جیسے اداروں کی مثال پیش کی جاتی ہے۔

۲: دوسرا راستہ بھکتی کا راستہ ہے۔

۳: تیسرا راستہ علم کا راستہ ہے، صرف ذہنی علم نہیں، بلکہ روحانی روشنی بھی۔ یہ علم ویدوں اور دوسری الہامی کتابوں کے مطالعہ سے شروع ہوتا ہے، اس کے بعد ایک طویل عرصہ دھیان اور ریاضت کا آتا ہے۔ علم کی آخری منزل خود آگاہی ہے، یہی وہ منزل ہے، جب وہ اس حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی ذات کا حصہ ہے۔ اس منزل میں عارف کی روح کو نجات یا موکش حاصل ہو جاتی ہے۔

خدااور آدمی:

ہندوازم ایک طرف تو یہ بتاتا ہے کہ (الف) خدا غیر مرئی اور قادر کل ہے تو دوسری طرف یہ بھی بتاتا ہے کہ (ب) وہ لباس بشری میں ہوتا ہے۔ پس (الف) وہ بصیرت اور بصارت سے پرے ہے اور اس میں تغیر وتبدل ناممکن ہے لیکن (ب) وہ انسانی حالات پر گہری نگاہ رکھتا ہے اور اس دنیا میں نیکی (دھرم) کے قیام اور بدی کی بیخ کنی کے لیے اکثر آتا رہتا ہے۔

آدمی کا مقصد خدا کا حصول ہے، اس کا منتہائے مقصود ہی یہی ہے کہ وہ خدا کی ذات میں ضم ہو کر موکش حاصل کرے۔ ایسا تب ہی ممکن ہے جب وہ متذکرہ بالا ایک یا ایک سے زیادہ راستوں کو اپنا کر زندگی کے چاروں ادوار کی تکمیل کرے اور اپنی زندگی میں متذکرہ بالا چاروں اہداف کے حصول کی کوشش کرے۔ یہ مقصد یکے بعد دیگرے کئی زندگیوں میں اسی طرح حاصل ہوتا ہے، جس طرح ایک طالب علم یکے بعد دیگرے کئی سال تک محنت کر کے اپنا مقصد حاصل کرتا ہے۔

مروج ہندوازم

ابھی تک ہم خالص ہندوازم کے افکار ونظریات سے بحث کر رہے تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ لاکھوں ہندوؤں کے مذہب یعنی مروجہ ہندوازم میں بھکتی اور عبادت کا کوئی مشترک طریقہ نہیں ہے۔ الگ الگ خطوں کے الگ الگ مذہبی رسوم وشعائر ہیں، بلکہ یہ کہنا کہیں زیادہ صحیح ہوگا کہ گاؤں گاؤں میں یہ جدا جدا ہیں۔ لاتعداد ہندو دیوی دیوتاؤں میں سے کوئی ہندو کسی کو بھی اپنا خاص دیوتا چن سکتا ہے، ہر خاندان کا ایک مخصوص دیوتا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی کسی گاؤں کا ایک مخصوص دیوتا ہوتا ہے۔

مقامی طور پر ہندوازم میں متعدد مسلکی گروہ ہوتے ہیں، بڑے گروہ شیو برہما، وشنو یا شکتی کی پوجا کرتے ہیں، لیکن چھوٹے موٹے گروہ اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں، مختلف گروہوں کے مابین بہت سے مسلکی اختلافات ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں ہم

ہندو مذہب کے عام پہلوؤں پر مختصر طور پر تحریر کریں گے۔

عبادت

ہندو اپنے گھروں اور مندروں میں پوجا کرتے ہیں۔ کئی خوش حال لوگ اپنے گھروں میں ایک کمرہ یا اس کے کسی حصہ کو پوجا گرہ کی شکل دے دیتے ہیں، اس پوجا گرہ میں وہ اپنے مخصوص دیوی دیوتا کی مورتی یا تصویر رکھتے ہیں، پوجا کے وقت دیوتا کے سامنے دیپ جلاتے ہیں اور اگربتی یا دھوپ کے دھوئیں سے خوشبو پیدا کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے یہاں پوجا ایک انفرادی فعل ہے، عیسائی گرجا گھروں میں اجتماعی عبادت کی طرح کا ہندوازم میں کوئی تصور نہیں، لیکن ہندوؤں کی پوجا شاید ہی کبھی ذاتی نوعیت کی ہوتی ہو، ان میں دیوتاؤں کے نام کی تکرار کے ساتھ ساتھ منتر اور مقدس اوراد دہرائے جاتے ہیں۔ خدا تو بے نام ہے، لیکن اس کے ہزاروں نام ہیں، اس کا نام جپنا اور اس کے متعدد ناموں کو گانا ہندوؤں کی پوجا کا ایک خاص حصہ ہے، اس ضمن میں ایک کہانی بھی دہرائی جاتی ہے کہ ایک آدمی نے مرنے کے وقت کس طرح غیر ارادی طور پر خدا کا نام لے لیا اور اسے موکش حاصل ہوگئی۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے لڑکے کا نام نارائن تھا جو خدا کا ایک نام ہے، اس نے لڑکے کا نام لے کر پکارا، جس کی وجہ سے نجات حاصل ہوگئی۔

مندر اور پوجا

ہندوستان اپنے مندروں کے سبب مشہور ہے، گو کہ شہروں میں عظیم الشان مندر ہوتے ہیں، لیکن ہر گاؤں کا اپنا ایک مندر بھی ہوتا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں عقیدت مندوں کی ایک بھیڑ روز حاضری دیتی ہے۔ اس کے علاوہ لاتعداد چھوٹے چھوٹے روڈ سائڈ مندروں میں بھی مقامی لوگ اپنے مخصوص دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں۔

طرز اور فکر کے لحاظ سے ہر مندر ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، جہاں کسی مخصوص دیوتا کی پوجا ہوتی ہے۔ مندر کا پجاری دیوتا کی مورتی کو نہلاتا، کپڑے پہناتا اور کھانا کھلاتا ہے۔ معتقدین دیوتا کو کھانے چڑھاتے ہیں اور پھر اسی کھانے (پرساد) کو لوگوں میں تقسیم

کر دیا جاتا ہے۔

ہندو مندروں میں بھیڑ ہوتی ہے اور شور ہوتا ہے۔ اسی شور شرابے کے دوران معتقدین یکے بعد دیگرے پوجا کرتے ہیں اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں کی پریکرما بھی کرتے ہیں۔

تیوہار اور تیرتھ یاترائیں

ہندو بہت سے تیوہار مناتے ہیں۔ کچھ مقامی تیوہار ہوتے ہیں جیسے دیوالی (روشنی کا تیوہار) جسے راکشش راجہ پر کرشن کی فتح کے جشن کے طور پر مناتے ہیں اور کچھ علاقائی اور مقامی تیوہار ہوتے ہیں، کچھ موسمی تیوہار بھی ہوتے ہیں، جیسے کیرالا میں اونم اور تامل ناڈو میں پوگل تیوہار فصل کٹنے پر منائے جاتے ہیں۔ کئی تیوہار دیوی دیوتاؤں کی نصرت اور برائی کے خاتمہ کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔ جیسے بنگال کا قومی تیوہار درگا پوجا جسے دیوی ماں درگا کے ذریعہ شر پر خیر کی فتح کی یاد میں مناتے ہیں۔ اسی طرح دسہرہ تیوہار کو راون پر رام کی فتح کی یادگار میں مناتے ہیں۔ ان تیوہاروں میں ناچ گانے اور ڈرامے کے پروگرام ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں ہزاروں تیرتھ استھان ہیں۔ ان میں بیشتر کا تعلق دیوی دیوتاؤں کے کارناموں سے ہے یا ان لوگوں سے ہے جن کا ذکر ہندوستانی خرافیات میں ہوا ہے۔ شمالی ہندوستان میں وندرا بن کو کرشن کی جائے پیدائش کے سبب تقدیس حاصل ہے۔ کچھ تیرتھ استھانوں کو ان کے مندروں کے سبب شہرت حاصل ہے۔ جیسے جنوبی ہندوستان میں مدورائی اور رامیشورم، کچھ تیرتھ استھان کسی مقدس دریا مثلاً گنگا یا کسی مقدس پہاڑی مثلاً تروپتی اور سابری ملائی سے متعلق ہوتے ہیں۔ گنگا کو سب سے زیادہ مقدس سمجھا جاتا ہے۔ اس کے منبع یا اس کے کناروں پر بسے ہوئے شہروں کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ مثلاً بنارس کا شمار ہندوستان کے مقدس ترین مقامات میں ہوتا ہے۔

لوگ زندگی میں کبھی بھی اور کسی وقت بھی تیرتھ استھان کی یاترا کر سکتے ہیں، لیکن عام طور پر ایک متعین موسم میں یا متعین وقت میں لوگ تیرتھ یاترا کرتے ہیں۔ اس کا سبب موسم ہوتا ہے یا یہ تصور کہ کسی خاص موقع یا تیوہار پر یاترا کرنے کا زیادہ اجر ملتا ہے۔

فرد، خاندان اور لوگوں کے بڑے گروہ، امیر و غریب، خواندہ اور ناخواندہ، زندگی کے

ہر شعبہ اور ہر طبقہ سے متعلق افراد، گاہے گاہے، ٹرینوں، بسوں اور بیل گاڑی کے ذریعہ تیرتھ استھانوں کو جاتے ہیں، کبھی کبھی تو اپنا کپڑا اور کھانا لاد کر پیدل ہی طویل مسافت طے کرتے ہیں۔ کئی تیرتھ استھانوں پر یاتری صرف دیوی دیوتاؤں کے درشن کرتے اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں، لیکن دوسری جگہوں پر سخت مذہبی رسوم ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً تروپتی کی یاترا کرنے والوں کو مندر کے احاطہ میں سر منڈانا ضروری ہوتا ہے۔

رسم ورواج

ہندوؤں کی ایک قدیم کتاب ''منو کے قوانین'' میں برہمنوں کے لیے بارہ مقدس رسموں کا ذکر ہے۔ ان رسموں میں سب سے پہلی رسم حمل سے متعلق ہے لیکن آج کل روایتی ہندو بھی ان رسوم کی پابندی نہیں کرتے ہیں۔ ہندوؤں میں پیدائش، شادی اور موت سے متعلق بہت سے رسم و رواج ہیں، ہر علاقہ کی رسموں میں کافی فرق ہوتا ہے، ہر ذات کے اپنے رواج ہوتے ہیں۔ برہمن ابھی تک اپنے لڑکوں کو مقدس زُنار پہنانے کی رسم کا جشن مناتے ہیں۔ واضح رہے کہ برہمن کو یہ زُنار تاعمر پہننا ہوتا ہے۔

ہر ہندو کی زندگی میں علم نجوم کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ علم نجوم کے ذریعہ کسی شخص کی پیدائش پر تیار کیے گیۓ زائچہ کی بنیاد پر اس کے اخلاق و کردار اور واقعات زندگی کی پیشین گوئی کی جاتی ہے۔ جیوتش میں پیدائش کے وقت کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کے یہاں ہر عمل کا ایک مبارک وقت (شگون) ہوتا ہے۔ خریدنے اور بیچنے کا، بونے اور کاٹنے کا، سفر کرنے، تجارت شروع کرنے کا یہاں تک کہ شادی کرنے کا ایک شگون ہوتا ہے۔

عام طور پر والدین دولہا اور دلہن کی شادی کرتے ہیں، وہ دولہا اور دُلہن کے زائچے ملاتے ہیں اگر دونوں میں مطابقت ہوتی ہے تبھی شادی طے ہو پاتی ہے۔ شادیوں کے جشن کئی دنوں تک جاری رہتے ہیں لیکن بعض شادیاں انتہائی سادگی سے گھروں میں یا مندروں میں بھی ہو جاتی ہیں۔

ہندو اپنے مردوں کو جلا دیتے ہیں۔ سب سے بڑا لڑکا مردہ والدین کی چتا میں آگ لگاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک اولاد نرینہ کی بہت اہمیت ہے۔

دقیانوسی ہندو ''شدھ'' اور ''اشدھ'' کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ پابندی سے روز اشنان

کرنا اور منتخب کھانوں کو ہی کھانا ہندوؤں کے نزدیک شدھ ہونے کے مترادف ہے۔ بیشتر ہندو گوشت نہیں کھاتے۔ جو ہندو گوشت کھاتے بھی ہیں وہ گائے یا بھینس کے گوشت سے پرہیز کرتے ہیں۔ قدیم دور سے ہی گائے کو مقدس اور مبارک سمجھا جاتا ہے۔ گاندھی جی کے بقول گائے کی پوجا کا مفہوم تمام زندگیوں کا احترام ہے۔ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ دورِ حاضر میں گائے کی پوجا کا یہ مفہوم نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔

اختلاف میں اتحاد

ہندوازم میں طرح طرح کے مذہبی خیالات و افکار اور رسم و رواج ہیں۔ اس مذہب میں عام طور پر قدرتی طاقتوں کی پوجا ہوتی ہے۔ دوسری جانب ہندوازم میں روحانیت اور بھکتی بھی ملتی ہے۔ دانش وروں کے بقول خدا منتہائے حقیقت ہے۔ وہ غیر مرئی روحِ کائنات ہے جس سے ملن موجب نجات ہے۔ اس کے برعکس گاؤں کا سادہ لوح دہقان دیوتاؤں کی بھکتی کر کے انہیں راضی رکھنا چاہتا ہے۔ بایں ہمہ یہ سب ہندو ہیں۔

وہ سوامی بھی ہندو ہے جو پالتی مار کر بیٹھتا ہے اور خدا اور کائنات کی گتھیوں کو سلجھانے میں لگا رہتا ہے اور وہ بوڑھی عورت بھی ہندو ہے جو گنیش جی کے آگے سراپا عجز و انکسار کی مورتی بن کر کھڑی ہوتی ہے۔ جو لوگ ماتھوں پر تلک لگاتے ہیں وہ بھی ہندو ہیں اور وہ لوگ بھی جو کبھی مندر نہیں جاتے، پوجا نہیں کرتے اور کسی طور ہندو نہیں دکھائی پڑتے۔ لیکن پھر بھی وہ فکر اور خیال کے سبب ہندو ہی ہیں۔ ایک عام ہندو کہاوت ہے ''جتنے دماغ اتنے ہی نظریات''۔ رگ وید میں مذکور ہے ''حقیقت ایک ہے نام مختلف ہیں'' یہی وہ خیال ہے جو ہندوازم کے بیشتر تضادات کی بنیاد ہے۔ گیتا میں ارجن سے کرشن کہتے ہیں: ''بھگت جس طریقے سے بھی پرستش کرنا چاہے اس کے عقیدہ کو میں راسخ کر دیتا ہوں۔ آدمی جس حال میں بھی مجھے پکارے میں اسے قبول کرتا ہوں کیوں کہ ہر راستہ میرا اپنا راستہ ہے۔''

(و) ہندوازم کا مستقبل

ہندوستان اور ہندوازم

حالانکہ آزادی کا وہ قومی جوش سرد پڑ گیا ہے لیکن ہندوازم کا احیا جاری ہے۔ جنوبی

ہندؤوں نے چاہا تھا کہ ہندوراج قائم ہو لیکن اس کے برعکس دوسرے لوگوں کی جدوجہد کے نتیجے میں آج ہندوستان ایک سیکولر ریاست ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست کسی خاص مذہب کو اوروں پر فوقیت نہیں دیتی ۔ ریاست عوام کے مذہبی عقاید اور رسم و رواج میں غیر جانب دار ہوتی ہے۔ تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنے مذہب کی پیروی اور تبلیغ کی آزادی ہوتی ہے۔

آج بھی ہندوازم ملک کی اکثریت کا مذہب ہے۔ اس ملک کا کلچر، مجموعی طور پر، ہندو کلچر ہے اور اخلاق و کردار ہندو اخلاق و کردار ہے۔

ہندوستان نے ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے ترقی اور جدید کاری کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس نے تہیہ کیا ہے کہ غربت کا خاتمہ ہو اور لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہو۔ اس کے وہی مقاصد ہیں جو دنیا کے تمام ترقی پذیر ملکوں کے ہیں لیکن زبان علاقائیت، کثرتِ آبادی، غربت اور سماجی عدم مساوات کے مسئلے عفریت بن کر سامنے کھڑے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ روایتی ہندوازم کی تعلیمات آزاد ہندوستان کی تمناؤں کی تکمیل میں کس درجہ معاون ہوں گی؟ جدید کاری میں ہندوازم معاون ہو گا یا سدراہ؟ کیا یہ مجوزہ ترقی اور اس کے حصول کے لیے بنیاد اور مطلوبہ توانائی فراہم کر سکے گا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب چنداں آسان نہیں ہے۔

فرسودہ روایتیں اور تبدیلیاں

آج ہندوازم کو انھی حالات کا سامنا ہے جن سے تمام مذاہب عالم دوچار ہیں۔ چند ہندو دانش وروں کا خیال ہے کہ ہندوازم تہ آب ہو جائے گا۔ صرف بھکتی کی چند روایتیں سطح آب پر نظر آئیں گی لیکن دوسرے بہت سے دانش ور اس خیال سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ نہایت پر اعتماد اور جوشیلے لہجے میں کہتے ہیں کہ سیکولرازم کی تند و تیز آندھی سے ہندوازم متاثر نہ ہو گا کیوں کہ اس کی مخفی طاقت نئے نظریات اور تازہ قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے کافی ہے۔

ہندوازم کے حامیوں کا کہنا صحیح بھی ہو سکتا ہے کہ کیوں کہ ماضی میں بھی ایسے ہی دشوار حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ اک لچک دار مذہب ہے جو کسی شخص یا کتاب سے پیوستہ نہیں ہے۔ دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اس میں سخت نا مساعد حالات قائم و دائم رہنے اور ہوا

کے سمت بہنے کی صلاحیت ہے۔ یہ اپنے ظاہری تحمل سے اپنے مخالفین کو تھکا دیتا ہے۔

ہندوازم نے اپنی بہت سی سماجی برائیوں پر قابو پالیا ہے، بہت سے معاملات میں اس نے سماجی قوانین کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔ ذات پات کے نظام میں اب وہ سختی باقی نہیں رہی۔ چھوت چھات کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ عورتوں کو آزادی ملی ہے۔ پرانے اوہام اور سماج مخالف رسم ورواج مثلاً ستی اور کم سنی کی شادی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔

گو کہ دیہی معیشت کو صنعتی نظام نے اس بری طرح متاثر کیا ہے کہ دیہی زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے اور شہری تمدن نے خاندانی نظام کو تہ و بالا کر ڈالا ہے لیکن پرانی قدروں میں اب بھی طاقت باقی ہے۔ حالانکہ روایتی قدریں ختم ہوئی ہیں لیکن ان کی جگہ ہنوز پر نہیں ہوئی ہے۔ ذات پات کے نظام کا سامنا ابھی بھی ہے۔ ذات پات بظاہر باقی نہیں رہی لیکن ذہنی طور پر ابھی بھی مضبوط ہے۔ ذات پات کا نظام کس قدر حاوی ہے، اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ بہت سے مقامات پر عیسائی بھی ذات پات کے شکنجے میں گرفتار ہیں۔

بہت سے ہندو راسخ العقیدہ نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود مندروں اور تیوہاروں کی وہی ہمہ ہمی باقی ہے۔ شہر کے مندر ہوں یا دیہات کے، ان میں عقیدت مندوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ نئے نئے مندروں کی تعمیر بھی جاری ہے۔ نت نئے مسلک اور متوں کا ظہور ہوتا ہے۔ تیرتھ استھانوں کی یاترا بھی جاری ہے۔ گیروے رنگ کے لباس میں سادھو اب بھی سڑکوں پر ٹہلتے نظر آتے ہیں، کلائیوں پر گھڑی اور ہاتھوں میں ٹرانسسٹر سے ان کے زُہد میں کمی نہیں ہوتی۔

بھارتیہ ودیا بھون جیسے بڑے پبلشر ہندو مذہب اور کلچر پر کتابیں اور رسالے شائع کرتے رہتے ہیں۔ قدیم ہندو تعلیمات کو جدید زندگی میں کارگر بنانے کی کوششیں جاری ہیں۔ مختصراً ہندوازم آج بھی ایک زندہ مذہب ہے۔

(A Guide to Religion سے ترجمہ)



ڈاکٹر ذاکر نائیک کی شہرہ آفاق کتابیں

